ملّة إبراهيم

ودعوة الأنبياء والمرسلين

وأساليب الطغاة فی تمییعها وصرف الدة عنها

ملتِ ابراهیم

تالیف

فضیلۃ الشیخ ابو محمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ

مترجم

فضیلۃ الشیخ أبو علی السندی حفظہ اللہ

اداره بیت الحمد

www.muwahideen.tz4.com

نام کتاب : ملتِ ابراہیم

تأ لیف : فضیلۃ الشیخ ابومحمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ

مترجم : فضیلۃ الشیخ ابوعلی السندی حفظہ اللہ

تاریخ اشاعت اول : ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بمطابق مئی 2005ء

صفحات : 112

تعداد : 1100

ناشر : ادارہ بیت الحمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جو اہل تقویٰ کا دوست و مددگار ہے۔اور جو ذات برحق دشمنانِ دین کو رسوا کرنے والا ہے۔تمام قسم کے درود وسلام ہوں ہمارے نبی اور قائد پر جنہوں نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنا دوست بنالیا ہے۔(رواہ مسلم)

امابعد! ملتِ ابراہیم نامی یہ کتاب میں قارئین کی خدمت میں نئے نداز سے پیش کررہاہوں اس سے قبل یہ کتاب کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔اس کو طباعت کے لئے تیار کرنے سے قبل نوجوانوں میں مختلف مقامات پر اس کا چرچا عام ہوگیا تھا۔وہ اس لئے کہ اس کتاب کا ایک نسخہ اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اپنے چند ساتھیوں کو پیش کیا تھا۔ان دنوں رسالہ میری ایک تصنیف (اسالیب الطغاۃ) سے جداگانہ تھا۔یہ تصنیف مختلف ملکوں میں منتقلی اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے نامکمل تھی۔ان پاکستانی بھائیوں نے اپنی کمزوری اور بے مائیگی کے باوجود اس علیحدہ رسالے کو طبع کردیا تھا۔اسی لئے رسالے کی مشہوری اور چرچا عام ہوگیا تھا۔

بعدازاں جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فرصت ملی تو میں اس رسالے کی طباعت کی طرف متوجہ ہوا۔خصوصاً جبکہ میں مدتِ درازتک اپنی گرفتاری اور قید کے دنوں میں اس کتاب کی وجہ سے اللہ کے دشمنوں کے غیض وغضب کا شکار رہا۔یہ لوگ جب بھی کسی بھائی کو گرفتار کرتے تو پہلا سوال ان سے اس کتاب کے بارے میں کرتے تھے کہ کیا تم نے اس کو پڑھا ہے؟ یا اس کے مصنف کو جانتے ہو؟ جواب اگر ہاں میں ملتا تو کہتے تھے، تمہاری جہادی سوچ اور اسلحہ سے دلچسپی ومہارت کے لئے اتنا کافی ہے۔ہم تمہیں صرف اس لئے گرفتار کررہے ہیں کہ تمہارے پاس یہ کتاب موجود ہے۔اگرچہ کوئی اسلحہ ہو یا نہ ہو!

اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ اس نے اس کتاب کو ان کے حلق کا کانٹا، دل وجگر کا زخم بنادیا ہے میں اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ وہ اس کتاب کو ہمارے لئے خوش بختی اور اہلِ طاغوت کے لئے جہنم کا کانٹا بنادے۔اس کتاب کی گزشتہ طباعت سے لے کر ان سطور کے لکھنے تک میں انتظار کرتا رہا کہ مجھے کوئی شخص تنبیہ کرتا یا تنقید کرتا، لیکن تلاش کرنے کے باوجود کوئی اعتراض یا جواب نہیں آیا انتظارِ جواب ان لوگوں کی طرف سے تھا جو ہم پر ہماری دعوت اور اس کتاب پر زبان درازی کرتے ہیں۔اور ہم پر ایسے ایسے الزامات اور بہتان لگاتے ہیں جو آج تک ہم نے کئے ہی نہیں حتیٰ کہ کویت کی مساجد میں سے کسی خطیب نے مجھ پر الزام لگایا کہ ''میں کہتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی ایمان پر قائم نہیں ہے۔اور یہ الزام بھی لگایا گیا کہ ہم تمام لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ہماری صفات خوارج سے ملتی جلتی ہیں''۔اسی طرح کے کئی اور الزامات بھی گھڑے گئے جن کا جادو صرف ان کے اندھے مقلدین پر ہی چل سکتا ہے۔اور جو لوگ حق کے طلبگار ہیں اور جن کی بصیرتیں وحی کی روشنی سے منور ہیں وہ پہچان جائیں گے کہ ہماری اور ان کی مثال اس شعر کی مانند ہے

وإذا أرادَ اللهُ نشرَ فضيلةٍ طوِيَتْ أتاح لها لسانَ حسودِ

''جب اللہ تعالیٰ کسی کی فضیلت کو پھیلانا چاہتا ہے تو اس کے لئے حاسدوں کی زبانیں دراز ہوجاتی ہیں''

اس کتاب کی اشاعت کو مدتِ دراز گزرنے کے باوجود، حاسدوں کے حسد اور طعن وتشنیع کے باوجود آج تک اس کتاب کے بارے میں کوئی تردید، تنقید، یا جواب نہیں ملا اور جو کچھ ملا وہ مخالفین کی عام باتیں تھیں۔جو انہوں نے اپنے شیوخ سے زبانی سنیں تھیں۔ان کو اختصار کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔

اعتراض اول! معترضین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی صفات میں بیان فرمایا ہے کہ وہ بڑے بردبار اور آہ وزاری کرنے والے تھے کیونکہ انہوں نے قومِ لوط علیہ السلام کے کافروں کے حق میں ایک بار بحث کی تھی ان کا یہ فعل کفار سے عداوت کے منافی ہے۔اور تم یہ کہتے ہو کہ عداوت ودشمنی کرنا اس ملت کی ذمہ داری ہے۔

اعتراض دوم! ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم صرف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں اور ملتِ ابراہیمی تو اسلام سے پہلے کی شریعت ہے جو ہمارے لئے شریعت نہیں بن سکتی۔

اعتراض سوم! وہ آیات (جن کا ذکر آگے آئے گا) جن میں ملتِ ابراہیمی کا تذکرہ ہے۔وہ تو مدنی آیات ہیں اور اس وقت نازل ہوئیں جب مدینہ میں

مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اس اعتراض میں اس امر کا اقرار ہے کہ ملتِ ابراہیمی حکومت کی موجودگی میں ظاہر و قائم ہو سکتی ہے۔

اعتراض چہارم! مکہ میں بتوں کو توڑنے کی جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے۔ معترضین نے صرف اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے علاوہ اور کوئی رد نہیں کیا ہے۔

جوابات: ان لوگوں کے اعتراضات کے جوابات تحریر کریں تو شاید کوئی ذی فہم قاری ہم پر تنقید کرے کہ تم بھی ان کی تردید میں نچلے درجے پر اتر آئے ہو ان اعتراضات کی حقیقت تو اس شعر کی طرح ہے۔

شبہٌ تهافت کالزجاج تخالُها حـقاً و کُـلّ کاسر ٌ مکسورُ

''جس تصویر کو تم حقیقی سمجھ رہے ہو یہ آئینے کی طرح گر کر ٹوٹ جائے گی ہر چیز ایک دن ٹوٹ کر رہتی ہے''

(مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ ان اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ از مترجم)

لیکن میں ان تنقیدات کو اپنے لئے رکاوٹ نہیں سمجھوں گا۔ کیونکہ مجھے فکر ہے ان سادہ لوح لوگوں کی جو جلد بازی میں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور جن پر اس طرح کی حیلہ بازیاں کامیاب رہتی ہیں۔ خصوصاً جو لوگ مجھے ملے تھے وہ ایسے ہی سادہ لوح تھے۔ اس لئے میں اختصار کے ساتھ جوابات تحریر کرتا ہوں!

(جواب اول) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍؕ۝ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ (هود: ۷۴،۷۵)

''جب ابراہیم کا ڈر، خوف جاتا رہا اور اسے بشارت مل چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگے۔ یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے، نرم دل، اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے''۔

اس آیت کو لے کر بے کار جھگڑے کرنے والے کوئی دلیل نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اہلِ تفسیر روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو قومِ لوط کے لئے بحث کی تھی وہ صرف لوط علیہ السلام کے لئے کی تھی۔ کفار کی وجہ سے نہیں کی تھی مفسرین فرماتے ہیں جب آپ نے ملائکہ کے اس قول کو سنا کہ:

قَالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ (العنکبوت: ۳۱)

''ہم ان بستی والوں کو تباہ و برباد کر دیں گے''۔

تو ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اگر اس بستی میں ۵۰ کے قریب مسلمان ہوئے تو پھر بھی تم اس کو تباہ کر دو گے فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں، تب ہم اس کو تباہ نہیں کر سکتے دوبارہ سوالات کئے کہ اگر ۴۰، ۲۰، ۱۰ یا ۵ افراد مسلمان ہوئے تو پھر؟ جواب ملا کہ ''نہیں'' پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًاقَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَالَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ (العنکبوت: ۳۲)

''اس بستی میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں فرشتوں نے کہا ہم زیادہ جانتے ہیں کہ اس میں کون ہے۔ ہم لوط (علیہ السلام) اور ان کے اہل و عیال کو نجات عطا کر دیں گے''۔

تفاسیر قرآن میں اول درجے کی تفسیر وہ ہوتی ہے جو قرآن نے خود کی ہو! لہٰذا سورہ ہود کی گزشتہ آیت کی تفسیر سورۃ عنکبوت کی جو درج ذیل آیت سے ہوگئی۔

وَلَـمَّآ جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰى قَـالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۝ قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا قَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَالَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ (العنکبوت: ۳۱،۳۲)

''جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے اور کہنے لگے ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ یقیناً یہاں رہنے والے ظالم ہیں۔ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں، فرشتوں نے کہا یہاں جو ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔ لوط علیہ السلام کو اور ان کے خاندان کو، سوائے بیوی کے ہم بچا لیں گے۔ البتہ اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں ہے''۔

پھر اگر ذرا ہم سوچیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا قومِ لوط علیہ السلام کی طرف سے بحث کرنا کیا دعوت انبیاء کی حقیقت واضح نہیں کرتا انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں میں سب

سے زیادہ رحم دل ہوتے ہیں کیا عقلِ سلیم کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہم اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ انبیاء اپنی قوم کی ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند ہوتے ہیں۔اس واقعے کو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں بھی سمجھ سکتے ہیں جب پہاڑوں کے فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مبعوث کیا کہ آپ اس فرشتے کو اس قوم کے بارے میں جو چاہیں حکم فرمائیں کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ردّ کر دیا تھا لیکن آپ نے فرمایا ''میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسی قوم پیدا فرمائے گا۔ جو ایک اللہ کی عبادت کرتے ہوں گے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔(بخاری و مسلم)

کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے ادب اور حسنِ ظن کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہم ان کے متعلق غلط افکار ختم کر کے صحیح سوچ پیدا کریں جن افکار سے مفہوم قرآن آپس میں ٹکرانے لگے، انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتِ توحید کا چہرہ عیب دار ہو جائے تو ہم یہی سمجھیں گے کہ ایسی سوچ ان بے وقوف مباحثین کی ہو سکتی ہے جو اپنے نفسوں میں خود خیانت کرتے ہیں حالانکہ انبیاء کو صرف شرک اور مشرکوں سے اظہارِ برأت کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔لیکن ان لوگوں کو جب ایسے دلائل نہ ملیں جس سے ان کے باطل نظریات کی پیوندکاری ہو سکے تو یہ لوگ مہمل اور ظنی دلائل پیش کرتے ہیں پھر اپنی بیمار سوچ کے مطابق ان دلائل کی تاویلیں کرتے ہیں۔تاکہ ان تاویلات کو محکم و مضبوط اور قطعی دلائل کے سامنے پیش کر سکیں جیسا کہ یہ محکم آیت ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الممتحنة:۴)

''مسلمانو! تمہارے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی بہترین نمونہ ہیں، جب انہوں نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں''۔

اس آیت پر غور کیجئے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ ملتِ ابراہیمی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔پھر آگے مزید تاکید فرمائی کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الممتحنة:۶)

''جو شخص اللہ سے اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اس کے لئے (سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں) بہترین نمونہ ہے''

اب ان معترضین کی طرف دیکھئے کہ وہ کس طرح ان واضح احکامات سے منہ پھیرتے ہیں۔اور سورہ ہود کی گذشتہ آیات پر بار بار جاتے ہیں جس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

يٰٓاِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (ھود:۷۶)

''اے ابراہیم ان لوگوں سے اعراض کیجئے''۔

اس قوم کی حالتوں پر غور کیجئے کہ شیطان ان سے کس طرح کھیلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ جس نے ہمیں راہِ حق کی ہدایت فرمائی کسی نے کیا خوب کہا ہیں۔

''اپنے دل کی دو آنکھیں بنالو تا کہ وہ دونوں خشیتِ رحمٰن سے روتی رہیں اگر تیرا رب چاہتا تو۔تو بھی گمراہوں جیسا ہوتا کیونکہ دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں''

جوابِ ثانی! یہ اعتراض کرنا کہ چونکہ ملتِ ابراہیم اسلام سے قبل کی شریعت ہے جو ہمارے لئے نہیں ہے۔اس اعتراض کی واضح کوئی حقیقت نہیں ہے ۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝ كَفَرْنَا بِكُمْ..........حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (الممتحنة:۴)

''مسلمانو! تمہارے لئے سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ہم تمہارے (عقائد) کے منکر ہیں .... جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ''

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللهَ هُوَالغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (الممتحنة: ٦)

''اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کے لئے (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) میں بہترین نمونہ ہے۔اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ اور تعریف کیا ہوا ہے''۔

کیا یہ معترضین اس آیت کو نہیں جانتے جس میں فرمان الٰہی ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (البقرہ: ۱۳۰)

''جو شخص ملتِ ابراہیم سے بے رغبتی کرے گا تو وہ بے وقوف ہوگا''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اَبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًاوَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ(النحل:۱۲۳)

''(اے نبی) ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے کہ تم ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو۔(ابراہیم علیہ السلام) راہِ راست پر تھے مشرکوں میں سے نہ تھے''۔

اس کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتِ ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ دیگر نصوص سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور طریقہ بھی کفار سے برأت اور ان کے معبودانِ باطلہ اور شریعتوں سے دشمنی پر مشتمل تھا۔بالکل یہی دعوت ملتِ ابراہیم اور ابراہیم علیہ السلام کی تھی۔

بخاریؒ و مسلمؒ کی متفق علیہ روایت ہے کہ:''انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں علاتی بھائی ہیں یعنی ان کی دعوت کی اصل بنیاد ایک ہے۔ان کی شاخیں اور فروعات مختلف ہیں''۔

اس کتاب میں بھی سب سے اہم گفتگو جس بات پر کی گئی ہے وہ توحید کی بنیاد کے متعلق ہی ہے۔اور توحید کے لوازمات میں شامل ہے کہ شرک اور مشرکوں سے برأت و دشمنی کی جائے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ نہ تو منسوخ ہے اور نہ ہی یہ اعتراض درست ہے کہ اسلام سے قبل کی شریعت ہماری شریعت نہیں ہے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی اصل ایک تھی کہ توحید کا اقرار اور شرک سے نفرت کی جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ۳۶)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو''

ارشاد الٰہی ہے کہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ . (الانبیاء:۲۵)

''(اے نبی) تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں،سو تم سب میری ہی عبادت کرو''۔

فرمان الٰہی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرَاهِيْمَ ......(الشوریٰ:۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے۔جس کو قائم کرنے کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیجا ہے جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم کو دیا تھا......

جواب ثالث! یہ اعتراض کہ آیتِ ممتحنہ مدنی ہے اس وقت مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی تو ہم اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین اور اپنی نعمت کو مکمل کر دیا ہے لہٰذا اب جو شخص قرآن میں یہ فرق کرتا ہے کہ یہ مکی دلیل اور یہ مدنی دلیل ہے تو اسے چاہئے کہ اس فرق کے لئے شریعت کی کوئی دلیل پیش کرے وگرنہ وہ جھوٹا ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (النمل:٦٤)

''(اے نبی) کہہ دو کہ تم دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو''۔

اس مسئلے کو بغیر کسی شرعی دلیل یا ضابطے کے کھولنا درحقیقت شر کے ایک بڑے دروازے کو کھولنا ہے۔اس بات سے تو شریعت کی بے شمار دلیلیں معطل ہو کر رہ جائیں گی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس ملتِ عظیم کا اعلان واظہار، استطاعت سے مشروط ہے تو ہم اس پر اعتراض نہیں کریں گے لیکن یہ لوگ تو اس اظہار کو یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ یہ حجت تو مدنی ہے یہ اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کی حکومت تھی۔! حالانکہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے اظہارِ توحید کیا وہ اپنے دور میں سب سے کمزور تھے ان کی کوئی حکومت نہ تھی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ملتِ ابراہیمی ہمارے لئے بہترین نمونہ عمل ہے یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے طریقے پر گامزن تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی ومدنی زندگی کا سب سے اہم ترین کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے توحید کو پیش کیا اور شرک سے برأت مخالفت فرمائی اس کے علاوہ توحید کے دیگر متعلقات اور ایمان کے کڑوں کو تھامے رکھا اس بات کی سب سے بڑی گواہی ہمیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ملتی ہے جس کی چند جھلکیاں ہم یہاں پیش کریں گے۔ان شاءاللہ

اب ہم اس بحث کی طرف آتے ہیں کہ کیا آیتِ ممتحنہ واقعی مدنی ہے؟؟؟ کیا یہ بات سچ ہے؟ چلو مان لیتے ہیں۔مگر یہ سورۃ کافرون بھی مدنی ہے؟ جس میں فرمایا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ o لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ o وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ o وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ o وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ o لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (الكافرون: ١،٦)

''اے نبی کہہ دیجئے کہ اے کافرو جن کی تم عبادت کرتے ہو، میں نہیں کرتا، اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔اور نہ میں پرستش کروں گا جس کی تم نے پرستش کی۔اور نہ تم اس کی پرستش کرنے والے ہو، جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔''

کیا یہ فرمان الٰہی بھی مدنی ہے؟

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى o وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى o اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى o تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى o اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (النجم: ١٩،٢٣)

''کیا تم نے لات اور عزّیٰ کو دیکھا۔اور تیسرے منات کو بھی۔(یہ مشرکوں کے بتوں کے نام ہیں) کیا تمہارے لئے لڑکے (بت) اور اللہ کے لئے لڑکیاں (فرشتے) ہیں؟ یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے لئے رکھ لئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری''۔

اسی طرح یہ فرمان بھی مکی ہے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ o لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الانبياء: ٩٨،٩٩)

''(اے مشرکو!) تم اللہ کے سوا جن جن کی عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے تم سب دوزخ میں جانے والے ہو اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

اسی طرح یہ آیت بھی مکی ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ

''یہ منکرین تمہیں جب بھی دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق اڑاتے ہیں۔کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کرتا ہے''۔(الانبیاء:٣٦)

مذکورہ بالا تمام آیتیں کیا مدینہ میں نازل ہوئی تھیں؟ ایسی مکی آیات اور بھی بہت ساری ہیں۔

اعتراض چہارم! بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مکہ میں بتوں کو توڑے جانے والی حدیث ضعیف ہے، ان کے خیال میں اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر ملتِ عظیم کے اہم ترین مقاصد کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

حالانکہ یہ روایت حسن سند کے ساتھ مسندِ احمد میں روایت کی گئی ہے (۱/۸۴) روایت درج ذیل ہے۔

عبداللہ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ انہیں اسباط بن محمد نے' ان کو نعیم بن حکیم نے' انہیں ابو مریم نے' انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ایک دفعہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس پہنچے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ (تاکہ آپ اوپر چڑھ کر بتوں کو توڑیں) جب میں بیٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کندھوں پر سوار ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر اٹھاتے وقت میری کمزوری کو دیکھ کر نیچے اتر آئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اٹھایا تو مجھے ایسا لگا کہ میں آسمان تک پہنچ گیا ہوں اس طرح کعبہ کے اوپر چڑھ گیا وہاں پر پیتل یا تانبے کی مورتیاں تھیں میں نے انہیں چاروں طرف پھینک دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ انہیں توڑ دوں میں نے انہیں گرا کر شیشے کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر میں نیچے اتر آیا۔ ہم فوراً یہاں سے چلے گئے تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔ حتیٰ کہ ہم گھروں تک پہنچ گئے''۔

اس روایت میں اسباط بن محمد، ثقہ راوی ہے۔ ثوری سے روایت کرتے وقت ضعیف ہیں لیکن یہاں ثوری سے روایت نہیں کر رہے نعیم بن حکیم کو یحیی بن معین اور عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۰۳)

مسند میں اس حدیث کی ایک اور سند اس طرح ہے: (قال عبداللہ بن احمد بن حنبل، حدثنی نصر بن علی ،حدثنا عبداللہ بن داؤد عن نعیم بن حکیم عن علی ......المسند، ۱/۱۵۱) اس کے علاوہ محدث الہیثمیؒ نے بھی مجمع الزوائد میں یہی روایت لکھی ہے۔ جس میں صرف اتنے الفاظ زائد ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس واقعے کے بعد بیت اللہ کی چھت پر کسی نے بتوں کو نہیں رکھا۔ (مجمع الزوائد: ۶/۲۳) بالکل یہی روایت تاریخ بغداد (۱۳/۳۰۳) میں بھی موجود ہے اس سند میں ابو مریم کا ذکر بھی ہے۔ ان کا نام قیس الثقفی المدائنی ہے یہ نعیم بن حکیم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام نسائیؒ نے بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن جس طرح ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ: امام نسائیؒ نے ابو مریم الحنفی کو قیس کا نام دیا ہے۔ حالانکہ قیس نام کے محدث ابو مریم الثقفی تھے۔ پھر آگے لکھتے ہیں: ''امام نسائیؒ کی کتاب التمیز میں نے دیکھی تو وہاں بھی قیس ثقفی کا نام درج تھا ابو مریم الحنفی کا ذکر نہیں تھا کیونکہ امام نسائیؒ جانتے نہیں تھے''۔ اس حدیث کو علامہ احمد شاکرؒ نے مسند احمد کی تحقیق (۲/۵۸) میں صحیح قرار دیا ہے کہتے ہیں ''مکمل سند صحیح ہے نعیم بن حکیم کو ابن معینؒ نے ثقہ قرار دیا ہے امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر (۲/۹۹) میں ان کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے ان پر جرح نہیں کی ہے۔ اسی طرح ابو مریم الثقفی پر بھی امام بخاریؒ نے کوئی جرح نہیں کی ہے' احمد شاکر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے پیش آیا تھا''۔

اس حدیث پر مکمل بحث کے باوجود میں کہتا ہوں کہ اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ مکہ میں بتوں کو توڑنے والی روایت درست نہیں ہے پھر بھی یہ ضرور طے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیمی کے متبع اور پیروکار تھے آپ نے ایک لمحے کے لئے بھی کفار کی دشمنی یا ان کے معبودوں کے ابطال سے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ آپ کا ان تیرہ ۱۳ برسوں میں سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے آپ کی یہی دعوت تھی کہ ''اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو'' ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ تیرہ برس تک خاموش بیٹھے رہے۔ یا آپ ان بتوں کی تعریف و توصیف کرتے رہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی کمزوری کے باوجود اعلانیہ طور پر مشرکوں اور ان کے معبودوں سے اظہارِ برأت کرتے تھے۔ یہ مسئلہ تو گزشتہ صفحات پر واضح کیا گیا اور مزید تفصیل مکی قرآن پر غور و فکر سے مل جائے گی۔ اور یہ مسئلہ صرف اس حدیث پر موقوف نہیں ہے کہ اس کو ضعیف قرار دے کر جان چھڑائی جا سکے۔ جیسا کہ معترضین کا گمان ہے بلکہ اس مسئلے کے اور بھی بہت سے شواہد و دلائل ہیں۔ ان مضبوط براہین اور ثابت شدہ اصولوں سے کوئی متکبر اور ہٹ دھرم ہی انکار کر سکتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔ فالحق رکنٌ لا یقوم لھَدہٖ احرولو جمعت له الثقلان

''یعنی حق ایک ایسا مضبوط ستون ہے کہ جس کو جن و انس مل کر گرانا چاہیں تو گرا نہیں سکتے''

ہدایت کے متلاشی کے لئے اس قدر تفصیل ہی کافی ہوگی۔اس مقدمے کے اختتام سے قبل میں چاہتا ہوں کہ ایک مناظرے کو بیان کروں جو میرے ساتھ بعض سیاسی پارٹیوں کے ارکان نے جیل میں کیا تھا۔اس مناظرے کا موضوع ''ایمان اوراس کے متعلقات'' تھادورانِ بحث ایک بڑا لیڈر بھی وہاں موجود تھاانہوں نے اپنے شرکیہ قانون کی پردہ پوشی کے لئے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اورابولبابہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے واقعات کوبطور دلیل پیش کیااور کہا کہ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے کفار کے لئے جاسوسی کی اوران کے مددگاراور دوست بھی تھے۔اسی طرح ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی۔اس کے باوجودرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں صحابیوں کوکافرقرارنہیں دیا۔پھرانہوں نے جلیل القدرصحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل کوشریعت کے مقابلے میں مشرکانہ قوانین پرقیاس کیا۔اس کے بعدمزید یہ دلیل نکالی کہ طاغوتوں اوران کی افواج کی مدد کرنا اوراپنی عمروں کوشرکیہ قوانین اورطاغوت کے پایۂ تخت کی حفاظت کرتے ہوئے گزارتے ہیں ان کی تائید کرنا جائز ہے۔ان لوگوں کی تکفیرنہیں کرنی چاہیے۔کیونکہ ان کے جرائم سیدنا حاطب یاابولبابہ رضی اللہ عنہما سے بڑھ کرنہیں ہیں۔

اورتو اور جب ہم نے ان کا کلام نقل کیا کہ وہ مشرکانہ افواج کوکافرقرارنہیں دیتے بلکہ انہیں ظالم وجابر کہتے ہیں تو ان کا غصہ بھڑک اٹھا۔ہم پرتہمت لگائی کہ ہم نے ان کا کلام بدل دیاہےاورکہا یہ ہم نہیں کہتے کہ یہ سب مطلقاً ظالم وجابر ہیں۔بلکہ ہم نے کہا تھا کہ بعض لوگ ظالم وجابر ہوسکتے ہیں یعنی یہ ظلم وفجور بھی ان کی ذاتی حالت کی بنا پر ہے نہ کہ ان کے عملوں اورطاغوت کی مدد کی بنا پر ہے میں نے انہیں کہا کہ تم پر بھی بہت تعجب ہے۔!!تم جب شرک وطاغوت کوظالم وجابر کہتے ہوتوتمہیں پریشانی لاحق ہوجاتی ہےاور جب سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کوکفار کا دوست اور جاسوس کہتے ہو،ابولبابہ رضی اللہ عنہ کوخیانت کرنے والا کہتے ہوتو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی؟افسوس صدافسوس!میں اس مقام پرتم سے جدا ہوتا ہوں اب ہمارا ساتھ ممکن نہیں ہے!!

اس واقعے کے بعدجیل کے بعض ساتھیوں نے کوشش کی کہ ہمارے درمیان صلح ہوجائے میں نے ان کی باتوں سے محسوس کیا کہ وہ اپنے موقف پرقائم ہیں تو تب میں نے کہا''میں تمہاری صحبت ومحبت کا اتنا بھی خواہش مندنہیں ہوں تمہیں صحابی کوخائن کہتے ہوئے اعتراض نہیں ہوتا اوراللہ کے دشمنوں اورطاغوت کوظالم وجابر کہتے وقت پریشانی لاحق ہوجاتی ہے واللہ ہم تمہاری صحبت کے حریص نہیں ہیں ہم صرف تم سے اس لئے ملتے ہیں کہ ہم جیل میں اوراللہ کے دشمنوں کے درمیان ہیں۔میری یہ باتیں سن کروہ غضبناک ہوگئے اوراپنے دل میں چھپے جذبات نکال کر کہنے لگے''تم درحقیقت ملتِ ابراہیم کی دعوت دینے والے ہو،ایسا شخص مشکوک اورسیاسی آدمی ہوتا ہے کیونکہ یہودونصاریٰ جواولادِابراہیم ہیں ان سے مصالحت کی دعوت دے رہا ہے''۔اس تمام قصے کوذکر کرنے کی وجہ صرف اتنی ہے جواس آخری جملے میں بیان کی گئی ہے مجھے سمجھ نہیں آرہی میں کیا بات لکھوں میں ایسے لوگوں کی کیا تردید کروں جو چاہتے تو خلافت کا قیام ہیں لیکن اولادِابراہیم اورملتِ ابراہیم میں فرق بھی معلوم نہیں ہے یہ قول آج کل کے طاغوتوں نے یہودیوں سے مصالحت اوردوستی کے لئے قائم کیا ہے حالانکہ اس بات سے توایمان کی زنجیریں ٹوٹ جاتیں اوردین کی بنیاد کمزور ہوجاتی ہے کفار سے دوستی ودشمنی کے قواعدواصول پارہ پارہ ہوجاتے ہیں۔اس بات کی تردید توخوداللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے۔

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلاَ نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَاكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران:٦٧)

ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اورنہ ہی عیسائی تھے۔بلکہ وہ تو یک طرفہ مسلم تھے۔وہ مشرک بھی نہ تھے''۔

ملتِ ابراہیم اوراولادِابراہیم میں جوامتیازی فرق ہے وہ بھی ان لوگوں کونظرنہیں آرہا۔ملتِ ابراہیم پرعمل پیرا ہوکرتو والدین اور بیٹے جدا جدا ہوجاتے ہیں۔اولیاء الرحمٰن اوراولیاء الشیطان میں فرق واضح ہوجاتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (البقرہ:١٣٠)

''جوشخص دینِ ابراہیم سے بے رغبتی کرے گا وہ محض بے وقوف ہوگا''۔

ہم نے اس کتاب میں دینِ ابراہیم کوواضح طور پرذکر کیا ہے۔اس پرغوروفکر کیجئے اور مخالفین کے اعتراضات پرکان نہ دھریے!اے توحیدی بھائیو!ہمیں بہت افسوس ہے کہ طویل مدت انتظار کرنے کے باوجودصرف ایسے بے ہودہ اعتراضات ملے ہیں۔جوہمارے مخالفین نے ہماری دعوت پرکئے ہیں ہمیں ان کی سطح پرآنا زیب نہیں دیتا مگرکیا کریں کہ اس دورمیں مسلمانوں کی حالتیں ہمارے سامنے ہیں اس ملت میں کوئی بھی اتنا بڑاا ہم عالم نظرنہیں آتا کچھ ہیں تو وہ بھی گمراہوں کے لئے مخبری کرتے نظرآتے ہیں ایسے لوگوں کی صفات اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی ابتدا میں ذکر کی ہیں۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد اور دشمنوں کو ذلیل وخوار کرے۔اور ہماری زندگی میں ہم سے دینِ اسلام کی خدمت لے۔ہمیں اسلام کا مددگار وفوجی اور مجاہد بنادے۔انجام کار شہادت فی سبیل اللہ عطا فرمائے۔ انه جواد کریم وصلی اللّٰه علی نبییه محمد وآله اجمعین۔

ابو محمد عاصم المقدسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملتِ ابراہیم کیا ہے؟

ملتِ ابراہیمی کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (البقرہ: ۱۳۰)

''دینِ ابراہیم سے بے رغبتی کرنے والا محض بے وقوف ہے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل: ۱۲۳)

''ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ تم ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک طرف (خالص) ہے۔اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے''۔

عزیزانِ گرامی! اس تفصیل اس وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے منہج اور طریقے کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ حقیقی راستہ اور سیدھا منہج ''صرف ملتِ ابراہیم'' ہے۔اس مسئلے میں نہ کوئی التباس ہے اور نہ کوئی شک وشبہ اور جو شخص دعوت وتبلیغ کو مصلحت کی دلیل بنائے۔یا کوئی اور کھوکھلے نام نہاد دعوے پیش کرتے ہوئے ملتِ ابراہیم سے دوری اور بے رغبتی اختیار کرے تو اس کو مسلمانوں میں فتنے اور ہلاکتوں میں ڈالنے کے سوا کچھ نہ ملے گا۔شیطان کمزور ایمان والے لوگوں کو ایسے ہی فتنوں میں مبتلا کرتا ہے۔ذرا بتایئے! جو شخص اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ دعوتی اسلوب کا ماہر سمجھے وہ بے وقوف ہی ہوسکتا ہے۔ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ (الانبیاء: ۵۱)

''تحقیق ہم نے ابراہیم کو رشد وہدایت عطا کی ہے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (البقرہ: ۱۳۰)

''ہم نے دنیا میں (ابراہیم علیہ السلام) کو برگزیدہ کیا اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوگا''

اسی طرح خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اتباع دعوتِ ابراہیم علیہ السلام کا حکم دیا ہے اور جو دینِ ابراہیم سے بے رغبتی کرے اس کو بے وقوف قرار دیا ہے۔

دینِ ابراہیم کی تعریف!

تعریف درج ذیل ہے۔''ہر قسم کی عبادت، خالص طور پر ایک اللہ کے لئے کرنا، شرک اور اہلِ شرک سے مکمل برأت یعنی دوری اختیار کرنا''۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

دین اسلام کے بنیادی قواعد دو ہیں۔

(اول) اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دینا، لوگوں کو اس پر ابھارنا اور عبادت کرنے والے کو اپنا دوست سمجھنا عبادت ترک کرنے والے کی تکفیر کرنا۔

(دوم) اللہ کی عبادت میں شرک کرنے سے لوگوں کو ڈرانا۔مشرکوں سے سخت دشمنی رکھنا بلکہ مشرکوں کو کافر قرار دینا۔

یہ وہی توحید ہے جسکی طرف تمام رسولوں نے دعوت دی ہے۔لا الہٰ الا اللہ کا معنی بھی یہی ہے کہ خالص اللہ ہی کی توحید کا اقرار کیا جائے، ہر معاملے میں، دین اور دینداروں سے دوستی میں، عبادت میں توحید کو مدِّ نظر رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر معبود کا انکار کرنا، اور اللہ کے دشمنوں سے عداوت رکھنا چاہیے۔عقیدے اور عمل

کی توحید کوایک ہی وقت میں اختیار کرنا چاہیے۔سورۃ اخلاص اعتقادی اور سورۃ الکافرون عملی توحید کی بہترین مثالیں ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں اکثر انہی سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

ایک ضروری تنبیہ!

1) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ملتِ ابراہیمی کا وجود صرف توحید کی تعلیم،اس کی اقسام کی معرفت سے ثابت ہوجاتا ہے۔اہلِ باطل کی طرف سے خاموشی اختیار کرتے ہوئے،ان سے اظہار براءت نہ بھی کیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ایسے گمان رکھنے والوں کو ہم یہ کہتے ہیں کہ''اگر دین ابراہیم علیہ السلام صرف اس چیز کا نام ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی قوم آگ میں نہ ڈالتی۔اور اگر ابراہیم علیہ السلام صداقت اختیار کرتے ہوئے اپنی قوم کے باطل نظریات سے سکوت اختیار کرتے اور ان کے معبودوں کے خلاف اعلانِ جنگ نہ کرتے تو آپ کی قوم آپ کو کچھ بھی نہ کہتی اگر ابراہیم علیہ السلام اسی طرح اپنے پیروکاروں کے ہمراہ توحید کی نظری تعلیم دیتے رہتے،توحید عملی کے بنیادی اصولوں یعنی،دوستی،دشمنی،محبت وبغض اور اللہ کے لئے ہجرت جیسے اصولوں پر عمل نہ کرتے تو مشرکین آپ کے لئے تمام دروازے کھول دیتے۔بلکہ وہ تو مدارس واسکول کھول کھول کر دیتے،جیسا کہ آج کل ان اداروں سے نظری توحید کی تعلیم دی جارہی ہے اور عملی توحید کو بند کر دیا گیا ہے کبھی کبھار تو وہ بڑے بڑے بینرز لگادیتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے مدرسۃ التوحید،کلیۃ الدعوۃ،کلیہ اصول دین وغیرہ وغیرہ مشرکوں کے یہ تمام اقدامات ان کو کچھ نقصان نہ پہنچاتے۔کیونکہ فی الحقیقت توحید کی عملی تطبیق تو ہو ہی نہیں رہی اگر ان یونیورسٹیوں،کالجوں اور مدارس سے توحید،اخلاص اور دعوت کے موضوع پر ہزاروں ایم اے،اور ڈاکٹریٹ کے مقالے،آرٹیکل بھی لکھے جاتے تو بھی ان مشرکوں کو کوئی سروکار نہ تھا۔بلکہ وہ مبارکباد دیتے اور بڑے بڑے القابات،انعامات اور ڈگریاں عطا کرتے،کیونکہ ان کے باطل نظریات،ان کے مشرکانہ خیالات کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہی ہوتی کیونکہ یہ توحید کی مسخ شدہ صورت ہے۔جو انہیں ناپسند نہیں ہے۔

شیخ الاسلام عبداللطیف بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''جو شخص مشرکوں سے عداوت نہیں رکھتا،اس کے بارے میں اہل توحید ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا''۔
(الدرر السنية: جزء الجهاد ص ١٦٧)

اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً ہی قریش اور ان کے معبودوں پر تنقید کو چھوڑ دیتے۔اور اگر بالفرض (نعوذ باللہ) ایسی آیات قرآنی کو ظاہر نہ کرتے جن میں معبودانِ قریش مثلاً لات،عُزیٰ،منات کو غلط،باطل قرار دیا گیا ہے تو مشرکین مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہ ہوتا اسی طرح اگر وہ آیات جو ابولہب،اور ولید کے بارے میں نازل ہوئیں اور وہ آیات جو مشرکوں اور ان کے معبودوں سے برأت وانکار کرتی ہیں ان تمام آیات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر نہ کرتے تو مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتے احترام سے پیش آتے آپ کی مجالس میں آتے جاتے سجدے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جانوروں کی آلائشیں نہ ڈالتے۔بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا رسانی کے وہ تمام واقعات پیش نہ آئے ہوتے جو سیرت کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے درج ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت اور دیگر مصائب و پریشانیاں برداشت نہ کرنی پڑتیں۔بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں میں امن وسکون سے رہتے یاد رکھئے! کہ اللہ تعالیٰ کے دین سے دوستی اور اہل باطل سے دشمنی،مسلمانوں پر ابتدائے اسلام میں ہی فرض کر دی گئی تھی اس وقت تو نماز،روزہ،حج اور زکوٰۃ بھی فرض نہ ہوئے تھے کہ اس فریضۂ توحید کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکالیف ومصائب برداشت کرنا پڑے۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''ہر اس شخص کو جو عقلمند اور اپنے نفس کا خیر خواہ ہے،ضرور سوچنا چاہئے کہ قریش والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ جیسے محترم ترین مقام سے کیوں نکالا سوچنے اور غور وفکر کرنے پر اس کو ضرور معلوم ہوگا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نکالا جب آپ نے مشرکین کے دین کو غلط قرار دیا۔اور ان کے آباء واجداد کو شرک کرنے کی وجہ سے گمراہ قرار دیا تھا۔پہلے پہل تو مشرکوں نے آپ کو اس عملی توحید سے روکا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ بدر کرنے کی دھمکیاں دیں۔ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی طرف سے شدید ایذا رسانی کی شکایت کی۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پیروکاروں کو دی جانے والی تکالیف کا ذکر کرکے صبر واستقامت کی تلقین فرمائی۔اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نہیں فرمایا کہ تم مشرکوں کے دین کو برا کہتے اور عیب دار قرار دیتے ہو،تمہیں یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔اس توحید پر قائم رہتے ہوئے آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو محترم ترین وطن مکہ کو چھوڑنا پڑا۔فرمان الٰہی

ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا۔(الاحزاب: ۲۱)

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے، اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اور اللہ کا بہت ذکر کرتا ہے اس کے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسوۂ حسنہ ہے''۔ (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۹۹)

بالکل یہی کیفیت ہر دور، اور ہر جگہ کے طاغوتوں کی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اسلام پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جب اسلام پر مشکل وقت آن پڑا ہو، لوگوں نے اسے کسی کام کو نہ چھوڑا ہو، جب اس دین سے اور مؤمنوں سے دوستی کی سخت ضرورت ہو اور کفار کے اظہارِ دشمنی کرنے کا اور ان کے معبودوں کو باطل کہنے کا وقت آن پڑے تو یہ لوگ صلح جوئی کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس غرض کے لئے کانفرنسیں مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ اخبار ورسائل میں مضامین چھپتے ہیں (مگر کام کی کوئی بات نہیں ہوتی: از مترجم)

ہم نے توحید کا دعویٰ کرنے والی حکومت میں ایسی ہی باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ حکومت لوگوں کو توحید اور کتبِ توحید پر ابھارتی ہے وہاں علماء کو قبر پرستی، صوفیت، تعویذوں اور درختوں، پتھروں پر کیے جانے والے شرکیہ افعال کے خلاف ابھارا جاتا ہے اور ہر اس کام کی اجازت دی جاتی ہے جو حکومت وقت کی سیاسی وخارجی پالیسیوں پر اثر انداز نہ ہو اس ناقص توحید کو اس وقت تک فروغ اور سہارا دیا جاتا ہے جب تک یہ ان حکمرانوں کے اقتدار کے لئے خطرہ نہ بنے ورنہ شیخ جھیمان کی کتابوں کو کیوں نہیں فروغ دیا جاتا حالانکہ ان کتب میں صرف توحید کا ہی بیان ہے۔ اور ان کتابوں میں تو حکمرانوں کی تکفیر بھی نہیں کی گئی تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ یہ توحید طاغوتی لوگوں کے مزاج اور خواہشات کے خلاف ہے۔ ان کتابوں میں کفار سے دوستی ودشمنی کے اصول اور بیعت وامارت کی باتیں تھیں (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ''رسالہ امر بالمعروف ونهى عن المنكر'' صفحہ ۱۰۸،۱۱۰) میں نے اس باب میں اس رسالے کو بہترین پایا ہے۔

شیخ علامہ حمد بن عتیق رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ ''بہت سے لوگوں کا نظریہ ہے کہ اگر وہ کلمہ شہادت زبانی ادا کرتے ہیں، مساجد میں پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں تو وہ دین کا اظہار کر رہے ہیں اگر چہ وہ مشرکوں مرتدوں کے علاقوں میں رہتے ہوں'' یہ نظریہ بالکل غلط ہے یاد رکھو کہ کفر کی کئی انواع واقسام ہیں اور ہر گروہ کے کفر کی بھی مختلف وجوہات ہوتی ہیں اس لئے اظہارِ دین کرنے والا اصل مسلمان اس وقت ہی بنے گا جب وہ اپنے علاقے کے کفر یہ گروہ سے اظہارِ عداوت کرے''۔ (دیکھئے حوالہ کتاب سبیل النجاۃ)

شیخ موصوف رحمہ اللہ اسی طرح 'الدرر السنیۃ' میں لکھتے ہیں ''اظہارِ دین کا مطلب ہے کفار کی تکفیر کی جائے ان کے دین کو غلط اور مطعون ٹھہرایا جائے بلکہ ان کی طرف مائل بھی نہ ہوا جائے اظہارِ دین کفار سے دشمنی رکھنے کا نام ہے یہ بات نہیں کہ صرف نماز پڑھنا ہی اظہارِ دین ہے (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۹۶)

شیخ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ اپنے شعری دیوان ''عقود الجواہر'' میں لکھتے ہیں:

''کفار کی جماعت سے اظہارِ دین اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی واضح تکفیر کی جائے ان سے کھلی عداوت اور دشمنی رکھی جائے۔ کسی دل کے لئے صرف یہ معیار کافی نہیں ہے کہ بس دلی بغض رکھا جائے۔ بلکہ معیارِ حق یہ ہے کہ تم واضح، صریحاً اظہار دشمنی کرو''۔

اس مضمون کے بارے میں شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں: ''جو شخص یہ سمجھتا ہے اسے عبادت سے منع نہیں کیا جاتا یا دینی تعلیم کی تدریس سے روکا نہیں جا رہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقام پر دین کا اظہار ہو رہا ہے۔ ایسا دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جو اندھی بصیرت کا مالک ہو ایسی سوچ رکھنا بھی عقلی اور شرعی طور سے غلط ہے۔ اس دعوے کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوؤں' عیسائیوں اور کفار کے ملک میں دین آزاد ہے کیونکہ وہاں بھی نماز، اذان، اور تعلیم دین موجود ہے۔ (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۴۱)

مُلا کو ہے ہند میں جو سجدے کی اجازت نا داں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد (اقبال)

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ''یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نماز کا ادا کرنا، لبیک کہنا یعنی حج ادا کرنا اور دیگر معاملات میں سکوت اختیار کرنے سے دین کا اظہار ہو جاتا ہے۔ دین کی سلامتی بھی اسی میں ہے حالانکہ ہر سرکش گمراہ سے اظہارِ برأت کرنا اور مسلمانوں سے محبت کا رشتہ رکھنا کفار سے بغض کرنا اظہارِ دین کہلاتا ہے''۔

اسی طرح ابوالوفاء بن عقیل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب تم کسی دور میں شریعت کے دشمنوں کے لئے مسلمانوں کی حالت کو دیکھو دینی قلعوں میں مسلمانوں کی پناہ اور اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو تھامنے کی طرف دیکھو لوگو! مؤمنوں کے طرف دار بن جاؤ۔ مسلمانوں کے دشمنوں سے بہت دور رہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفین سے نفرت کرنا قربِ الٰہی کا افضل ترین ذریعہ ہے ان دشمنانِ اسلام سے ہاتھ زبان اور تمام اعضاء کے ساتھ بقدرِ استطاعت جہاد کرنا چاہئے''۔(الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۲۳۸)

دوسری اہم ترین تنبیہ!

2) شرک اور مشرکوں سے برأت و دشمنی کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے یہی بات گزشتہ صفحات پر بھی ذکر کی گئی کہ، اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے دوستوں سے دوستی کرنا، ان کی مدد کرنا اور خیر خواہی کرنا چاہیے اور اس کا کھلم کھلا اظہار بھی کرنا چاہیے تا کہ مومنوں کے دل باہم مل جائیں اور ان کی صفوں میں مکمل اتحاد پیدا ہو جائے اور کبھی کبھار ہم اپنے بھائیوں سے، جو راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں، سخت کلمہ ادا کرتے ہیں اور ان کے افعال پر تنقید کرتے ہیں تو ان باتوں سے ہمارا مقصد صرف اصلاح ہوتا ہے کیونکہ بقول شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے دو ہاتھوں کی مانند ہوتا ہے اور ہاتھوں کا کام ایک دوسرے کی صفائی کرنا ہوتا ہے اور کبھی گندگی دور کرنے کے لئے سختی کی ضرورت بھی پڑتی ہے تا کہ انجام اچھا ہو جائے اور ہاتھوں کی صفائی کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ ہم کسی حال میں اپنے بھائیوں سے کلی طور پر جدا نہیں ہو سکتے کیونکہ مسلمان سے حقِ دوستی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو پھر دوستی کا حق باقی نہیں رہتا۔ مسلمانوں کی دوستی کی عظمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ (الانفال: ۷۳)

''اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمیں میں فتنہ ہو گا اور زبردست فساد ہو جائے گا''

منحرف مسلمانوں سے ان کی بدعات اور باطل نظریات سے اظہارِ برأت کرنا چاہئے ان سے موالات برقرار رکھنی چاہئے کیا آپ نے کبھی شریعت کے ان احکامات کی طرف نہیں دیکھا جو باغیوں سے جنگ کرنے کے متعلق ہیں اسی طرح مرتدوں کو قتل کرنے کے احکامات بھی ہوتے ہیں جو دیگر احکامات سے مختلف ہوتے ہیں ہم شریعت کے برعکس عمل کر کے طاغوت کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچائیں گے ان کو خوش ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔ جیسا کہ آج کل کے دور میں اسلام کے بہت سے نام لیواؤں نے دوستی و دشمنی کے اسلامی معیار کو ختم کر دیا ہے ایسے لوگ موحدین کے خلاف بڑھ چڑھ کر دشمنی کرتے ہیں اسلام و مسلمانوں کی دشمنی میں اخبار و جرائد کے صفحات بھرے نظر آتے ہیں جو سادہ لوح عوام اور داعیوں کو دھوکے میں مبتلا کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں حتی کے بہت سے داعی حضرات بھی حکامِ وقت کے ساتھ مل کر موحدین کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور مختلف الزامات لگاتے ہیں طاغوتوں کو موحدین کے مکمل خاتمے پر ابھارتے ہیں۔ ان موحدین کو مختلف القابات مثلاً باغی، خارجی، کہہ کر پکارا جاتا ہے ان کو یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر گمراہ قرار دیا جاتا ہے میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو طاغوتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور موحدین کے متعلق کہتے ہیں ''یہ لوگ تو اچھے ہیں مگر برائی میں مبتلا ہو گئے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان کو خبر نہیں کہ کچھ قبیح کلمات ایسے ہوتے ہیں جس کا ادا کرنے والا جہنم کے گڑھوں میں ستر برس کی دوری پر جا گرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں پر ذیل میں ہم ملتِ ابراہیمی کے اہم ترین نکات کو ذکر کر رہے ہیں جس سے موجودہ دور کے داعی حضرات بڑی کوتاہی اور غفلت برت رہے ہیں بلکہ اکثر لوگ ان باتوں کو تو چھوڑ چکے ہیں۔

1) مشرکوں اور ان کے باطل معبودوں سے اظہارِ برأت و دشمنی کرنا۔

2) ان مشرکوں، ان کے معبودوں، ان کے منہج و قوانین اور شرکیہ دستور کو اعلاناً کفر قرار دینا۔

3) مشرکوں اور ان کی کفریہ حالتوں کے خلاف عداوت و دشمنی ظاہر کرنا یہاں تک کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور اپنے تمام اعمال سے تائب ہو جائیں۔ فرمانِ الٰہی ہے۔

قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِهِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرۡنَا بِكُمۡ ......حَتّٰى تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗۤ (الممتحنة: ۴)

’’مسلمانو! تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) اوران کے ساتھی بہترین نمونہ ہے جب ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے ہوان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ‘‘۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں’’جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کفار سے دوستی کرنے کو منع قرار دیا ہے تو یہ حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کفار سے دشمنی ہر حال میں رکھی جائے‘‘۔ (بدائع الفوائد ۳/۶۹)

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں’’اس آیت میں مشرکوں سے دشمنی کو پہلے بیان کیا گیا ہے اور بغض کو بعد میں بیان کیا ہے یہ بات قابل غور ہے کہ مقدم اہم ترین چیز کو رکھا جاتا ہے بعض لوگ مشرکوں سے بغض تو کرتے ہیں مگر دشمنی نہیں رکھتے۔ایسے لوگ فرض کو مکمل طور پر ادا نہیں کررہے جب تک وہ دشمنی اور نفرت کو ظاہراً پیش نہ کریں واضح رہے کہ بغض صرف دل سے کیا جائے تو وہ فائدہ بخش نہ ہوگا کیونکہ اس کے آثار وعلامات واضح نہ ہوں گے جب دشمنی اور نفرت واضح اور تعلق بالکل ختم ہوگا تو اس کی علامات بھی دور سے نظر آئیں گی‘‘۔

اسی مضمون کے متعلق شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں’’صرف دل سے نفرت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ دشمنی کا اظہار بھی ضروری ہے انہوں نے گزشتہ آیت ممتحنہ کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا’’اس واضح آیت پر غور کرو جس کے بعد کسی اور بیان کی ضرورت نہیں رہتی فرمان الٰہی ہے’’بَدَأَ بَيْنَنَا‘‘یعنی ہمارے اور مشرکوں کے مابین دشمنی واضح ہوگئی ہے ان مشرکوں کی اعلانیہ تکفیر بھی کرنی ہے اور ظاہری دوری بھی اختیار کرنی ہے۔عداوت کا مطلب ہوتا ہے دل، زبان اور جسم ہر طرح سے حقیقی دشمنی اور قطع تعلقی ہو۔کیونکہ مؤمن کا دل کبھی بھی کفار کی دشمنی سے خالی نہیں ہوتا'اصل جھگڑا تو اظہارِ دشمنی کا ہے‘‘۔(الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۴۱) (کیونکہ اس مقام پر واضح ہوجاتا ہے کہ کون حقیقی دشمنی رکھتا ہے اور کون نہیں۔مترجم)

اسی طرح فتح المجید کے مصنف علامہ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں’’جو شخص بھی سورتِ ممتحنہ کی ان آیات پر غور وفکر کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں میں نازل کردہ توحیدِ خالص کا مکمل تعارف مل جائے گا انہی آیات سے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین جو خسارے اور دھوکے میں مبتلا ہیں، ان کا تعارف بھی ہوجائے گا‘‘۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ’’جب اہل قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید پیش کی اوران کے معبودوں کے متعلق فرمایا کہ یہ نہ تو فائدہ دیتے ہیں اور نہ نقصان، تو قریش والوں کے نزدیک یہ ان کے معبودوں کی گستاخی تھی'اس بات کو سمجھ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اگر اللہ کو ایک جانے اور شرک نہ کرے تو بھی توحید پر سیدھا قائم نہیں ہوگا جب تک وہ مشرکوں سے اعلانیہ نفرت' بغض اور عداوت نہ کرے۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ (المجادلة: ۲۲)

’’اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے‘‘۔

آج کل کے لوگوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر لوگ اس توحید سے ناواقف ہیں۔اس توحید کی وجہ سے ہی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قید وبند اور حبشہ کی طرف ہجرت کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں میں سب سے زیادہ رحم دل ہیں اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کوئی رخصت کی گنجائش پاتے تو ضرور اس پر عمل کرتے۔اسی ذیل کی آیت میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللهِ (العنكبوت: ۱۰)

اور بعض لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر جب اسے اللہ کی راہ میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کا تکلیف دینا اللہ تعالیٰ کے عذاب کیبرابر کردیتا ہے‘‘

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ زبانی کلامی ایمان لائے ہیں ان کو تکالیف سے دوچار کیا جاتا ہے ذرا سوچئے کہ کچھ لوگ اپنے قول وعمل سے مشرکوں کے ساتھ اتحاد وموافقت کرتے اوران کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں بلکہ مشرکوں کے مخالفین کو ناپسند بھی کرتے ہیں تو (ان کا کیا حال ہوگا! جیسا کہ آج کل واقعتاً ہورہا ہے) یہ کلام ہم نے جزء الجہاد صفحہ ۹۳ سے اخذ کیا ہے اس کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہمارے ہی زمانے کی بات کی جارہی ہے۔

شیخ محمد بن عبداللطیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں’’اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت فرمائے، باخبر رہیے کہ کسی بھی شخص کا اسلام صرف اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے عداوت

کرنے سے ہی درست ہوگا۔اسی طرح اولیاء اللہ اور اس کے رسولوں سے محبت بھی ضروری ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ (التوبة:۲۳)

''اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ' اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں''۔ (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۲۰۸)

یہ ہے تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اور یہی ان کی دعوت ومنہج ہے۔جس پر قرآن وحدیث دلالت کرتے ہیں اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

شیخ محمد بن عبداللطیف رحمہ اللہ رقمطراز ہیں ''مذکورہ بالا تمام احکامات پر عمل کر کے ہی دین کا اظہار ہوگا اس کے برعکس جاہلوں کے نظریات ہیں کہ ان کو کفار نے نماز پڑھنے اور نوافل ادا کرنے کی اجازت عطا کی ہوئی ہے تو ان کے ان اعمال سے دین کا اظہار ہو رہا ہے یہ نظریہ بہت ہی قبیح غلطی ہے کیونکہ جو شخص مشرکوں سے دشمنی اور ان سے برأت کرتا ہو تو اس کو وہ اپنے درمیان رہنے ہی نہیں دیں گے بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے گا یا جلاوطن کر دیا جائے گا۔جیسا کہ کفار کے متعلق فرمان الٰہی ہے۔

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (الاعراف:۸۸)

''(کافروں نے کہا) اے شعیب ہم آپ کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ''۔

اسی طرح اہل کہف کے متعلق فرمایا۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا(الكهف:۲۰)

(اصحاب کہف کہنے لگے) اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے۔یا تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر تمہیں ہرگز فلاح نہ ہوگی''۔

ان آیتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ عداوت کی شدت اس لئے تھی کہ رسولوں نے اپنی قوم کے مشرکانہ دین کو غلط اور ان کے معبودوں کو باطل قرار دیا تھا ۔(الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۲۰۷)

شیخ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ آیت ممتحنہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''یہ آیت اسی ملتِ ابراہیم کے متعلق ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''جو شخص ملتِ ابراہیم سے بے رغبتی کرتا ہے تو وہ بے وقوف ہے'' اس لئے ہر مسلم پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے عداوت کو ظاہر کرے اور ان سے دور رہتے ہوئے ان کی محبت و معاشرت سے اور دوستی سے اجتناب کرے۔(الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۲۲۱)

اللہ تعالیٰ نے دعوتِ ابراہیم علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء:۷۵،۷۶)

''(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کچھ خبر بھی ہے کہ تم جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادا' وہ سب میرے دشمن ہیں۔علاوہ اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہاں کا پالنے والا ہے''۔

یہی مضمون ایک اور مقام پر بھی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنِ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (الزخرف:۲۸،۲۷)

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بے زار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔علاوہ اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا''۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے برأت کو، مشرک اور کفار سے عداوت کو فرض قرار دیا ہے اسی طرح جہاد کا حکم بھی دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ (البقرہ: ۵۹)

''یہ ظالم اس بات کو جوانہیں کہی جاتی ہے بدل دیتے ہیں''۔

یہ لوگ مشرکوں سے دوستی کرتے ہیں ظاہراً امداد دیتے ہیں مؤمنوں کے خلاف ہر کام کرتے ہیں۔مؤمنوں سے کفار کی وجہ سے دشمنی بغض رکھتے ہیں۔قرآن وسنت کے ہر حکم کی مخالفت کرنا ان کا دستور ہے۔

ایک اعتراض! بعض جلد باز قسم کے لوگ اس مقام پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ''ملتِ ابراہیمی کی دعوت پیش کرتے وقت آخری مرحلے میں مشرکوں سے عداوت کی بات کرنی چاہئے۔پہلے پہل تو صرف حکمت اور احسن طریقے سے بحث کرنی چاہئے۔ہر طرح کی نرمی اور حکمت اختیار کرنے کے بعد مجبوراً آخری تقاضا مشرکوں اور ان کے معبودوں سے بغض وعداوت کا ہوتا ہے۔

جواب! عرض ہے کہ یہ اشکال ان لوگوں کو پیش آتا ہے جو دینِ ابراہیم علیہ السلام کو واضح طور پر جانتے نہیں ہیں۔انہوں نے کفار کو ابتدائی دعوتِ اسلام دینے کے طریقوں اور دشمنانِ اسلام سے نبٹنے کے طریقوں کو باہم ملا دیا ہے۔حالانکہ اس دعوت میں اور کفار کے مناہج اور دستوروں کے بارے میں ایک مسلم کے موقف میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا مطلب ہے کہ خالص طور پر ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اللہ کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار کیا جائے۔اس توحید پر عمل کرنے کو نہ تو مؤخر کیا جاتا ہے نہ ہی کوئی مہلت ملتی ہے۔بلکہ لازم ہے کہ اسلام کی ابتداء ہی توحید سے ہو۔کیونکہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ومقصد یہی ہے۔یہ توحید دین کی اصل بنیاد اور دعوتِ انبیاء کا اصل مرکز ہے۔مزید اشکالات دور کرنے کے لئے ہم دو مسائل ذیل میں ذکر کررہے ہیں۔

(مسئلہ اول) پہلی بات یہ ہے کہ طاغوت اور تمام معبودانِ باطلہ کا انکار اور اظہارِ برأت کرنا ضروری ہے۔اس کام میں کوئی تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔بلکہ پہلا کام یہ ہی کرنا چاہئے۔

(مسئلہ ثانی) مشرک اقوام سے ذاتی نفرت ضروری ہے۔اگر وہ اپنے باطل نظریات پر ڈٹے رہیں۔

(تفصیل مسئلہ اول) تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر قسم کے معبودوں اور طاغوتوں کا انکار کرنا چاہئے یہ طاغوت پتھر کے صنم ہوں یا سورج قبر، شجر، بلکہ انسانی خودساختہ قوانین کا انکار بھی لازمی ہے۔اسی چیز کا نام ملتِ ابراہیم ہے۔تمام رسولوں کی دعوت بھی یہی ہے کہ تمام معبودوں سے واضح اور ظاہری طور پر اظہارِ نفرت وعداوت ہو معبودانِ باطلہ کی قدر وقیمت اور شان وشوکت کو ہمیشہ گھٹانا، اور ان کی تحقیر کرنی چاہئے۔اور ان کے تمام عیوب نقائص کو ظاہر کرنا چاہئے۔تمام انبیاء کرام علیہم السلام جب اپنی دعوت کا آغاز کرتے تو اسی طریقے کے مطابق کرتے تھے جیسا کہ یہ آیت واضح کرتی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ۳۶)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو''

یہی بات ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (الانعام: ۷۸)

''کہا اے میری قوم میں تمہارے شرک سے بری ہوں''۔

مزید فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (الزخرف: ۲۷،۲۸)

''جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی قوم اور اپنے والد کو کہا میں بری ہوں اس سے جس کی تم عبادت کرتے ہو علاوہ ایک اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے ہدایت فرمائے گا''۔

قوم ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل کی شہادت یہ آیت دیتی ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ (الانبیاء: ۵۹،۶۰)

’’کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے۔ بولے ہم نے ایک کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے‘‘۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے معبودوں کے عیب نکالتے اور ان کی تحقیر کرتے تھے۔قرآن وسنت سے مزید دلائل مل سکتے ہیں اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں سیرت کے واقعات بھی ہمارے لیے کافی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معبودانِ قریش کو باطل کہتے ہوئے ان سے اظہارِ برأت کرتے تھے۔ان بتوں کے انکار کی وجہ سے آپ کا لقب ’’صابی‘‘ پڑ گیا تھا۔

عزیزان گرامی!اگر آپ اس بات کی مزید تحقیق اور یقین حاصل کرنا چاہیں تو قرآن کی مکی سورتوں پر نگاہ ڈالیں،ان پر غور فکر کریں کہ قرآن کی ایک ایک آیت نازل ہوتے ہی مشرق ومغرب چارطرف پھیل جاتی اور لوگوں کی محفلوں،بازاروں میں زبانوں پر عام ہوجاتی تھی قرآن چونکہ اہل عرب کو مخاطب کرتا تھا اس لئے ہر عرب اس کا مفہوم سمجھتا تھا۔اور وہ مفہوم یہ ہوتا تھا کہ مشرکوں کے معبودوں بالخصوص بڑے(لات،منات،عُزّیٰ) بتوں کی توہین،ان آیات میں موجود ہوتی تھی۔ان سے اعلانیہ نفرت وبرأت اور ناخوشی کا اظہار ہوتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی آیت کو چھپایا نہیں تھا کیونکہ آپ کا منصبِ رسالت ایک نذیر کا تھا جس کا مطلب ہے ’’ڈرانے والا‘‘ موجودہ دور کے داعی حضرات کو اس معاملے پر اچھی طرح توجہ کرنی چاہیے۔وہ اپنے نفس کا محاسبہ بھی کریں،کیونکہ دعوتی سرگرمیاں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت وتائید کے لئے ہونی چاہئیں۔اگر ان کی بنیاد اس توحید پر قائم نہ ہو تو انبیاء کرام علیہم السلام کے اصل منہج کے مطابق رہنا ناممکن ہوجائے گا۔اور یہ موجودہ دور جس میں ہم اور آپ زندگی گزار رہے ہیں اس دور میں شرکیہ قوانین اور طاغوتی حکومتوں کا چلن عام ہے۔اس دور میں دعوت کو اختیار کرنا اور بھی ضروری ہے۔ملتِ ابراہیمی کی اتباع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے،ان شرکیہ قوانین کو غلط قرار دینا چاہئے۔ان میں چھپے کفر کو ظاہر کرنا چاہئے۔خود بھی ان سے علیحدگی اختیار کی جائے اور عوام الناس کو بھی دعوت برأت دی جائے ان طاغوتی حکومتوں کیتبلیسانہ کارگزاریوں کو واضح کرنا پڑے گا وگرنہ حق کا اظہار کب ہوگا۔کیسے لوگوں کو حقیقی دین کی معرفت حاصل ہوگی۔لوگ حق وباطل،دوست ودشمن کو کیسے پہچانیں گے۔بہت سے لوگ اس دعوت کو پیش نہیں کرتے اور مصلحت،فتنے کو بطور عذر پیش کرتے ہیں۔ذرا بتایئے!توحید کو چھپانے اور لوگوں کو دھوکے میں رکھنے سے بڑھ کر کوئی فتنہ ہوگا؟ملتِ ابراہیم علیہ السلام کے قیام اور اللہ کے دین سے محبت سے بڑھ کر کوئی مصلحت ہوگی؟؟؟وہ طاغوت جس کی عبادت کی جاتی ہو اور جس کے سامنے لوگ جھکتے ہوں اس سے عداوت کرنے سے بڑھ کر کون سا مفاد ہوگا؟۔

جب توحید کی خاطر مسلمان آزمائے نہیں جائیں گے اور ان پر مصائب نہیں آئیں گی تو پھر کس راہ میں آئیں گی ہر قسم کے طاغوت کا انکار مسلمانوں پر واجب ہے اس انکار کا اعلان کرنا بھی بڑی عظیم ذمہ داری ہے اگر چہ ایسا اعلانِ حق مسلمانوں کی کچھ جماعتیں' یا بہت کم لوگ ہی کرتے ہیں،ہمیں برابر' مسلسل ایسی توحید کا اعلان کرنا پڑے گا حتی کہ یہ عوام الناس میں پھیل جائے مشہور ہوجائے بلکہ مسلمانوں کی نشانی بن جائے یہ اعلان صرف اس دور میں نہیں ہوگا کہ جب ہمیں حکومت مل جائے بلکہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کمزوری اور ناتوانی کے عالم میں یہ کام جاری رکھنا پڑے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لوگ آپ کی طرف انگلیوں سے اشارے کرتے اور دور رہا کرتے تھے اور پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے اس دعوت کو ترک نہیں کیا مجھے ان داعی حضرات اور علماء کی سمجھ نہیں آتی کہ یہ کون سی دعوت ہے۔جس میں مصلحت کا رونا روتے ہیں کس دین کی اقامت چاہتے ہیں اور ان کی خود اپنی حالت یہ ہے کہ بار بار' انسانی خود ساختہ قوانین کی تعریف کرتے رہتے ہیں اور افسوس صد افسوس کچھ ان قوانین کی ثناء خوانی میں لگے رہتے ہیں اور اکثر لوگ ان قوانین کا مکمل احترام اور پابندی کرتے ہیں،ان قوانین سے دشمنی کرنا' اور راہِ راست پر چلنا تو بہت دور کی بات ہے یہ لوگ تو ان کفریہ قوانین پر مکمل راضی ہیں' اور پسند کرتے ہیں کیا یہ لوگ خالص توحید پھیلائیں گے؟ کیا یہ لوگ دین قائم کریں گے؟اس کے علاوہ بات یہ ہے کہ توحید کا اظہار اور غیر شرعی نظام کے حاکم کی تکفیر کرنے کا باہم کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تکفیر کا معاملہ غیر اسلامی دستور وقانون سے متعلق ہے یہ قوانین عام لوگوں میں بڑے محکم اور مضبوط ہوتے ہیں(جن کے متعلق تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے جو اس کتاب میں ممکن نہیں)

تفصیل مسئلہ ثانی! دوسرا مسئلہ مشرکوں سے اظہارِ برأت ودشمنی اور بغض ونفرت رکھنے کے متعلق ہے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "اغاثة اللهفان" میں لکھتے ہیں ’’اس شرک اکبر سے وہی شخص نجات پاسکتا ہے جو خالص توحید پر عمل پیرا ہو۔اور مشرکوں سے اللہ تعالیٰ کے لئے عداوت ونفرت کرتا ہو‘‘۔شیخ ابن قیم رحمہ اللہ نے شیخ

الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ آپ مشرکوں سے عداوت کو ان کے معبودوں سے عداوت پر مقدم رکھتے تھے۔شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ''۴'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ایک عمدہ نکتہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکوں سے اظہارِ برأت کو پہلے ذکر کیا ہے اوران کے معبودوں کو بعد میں ذکر کیا ہے کیونکہ جو شخص بتوں سے نفرت کرے مگران کے پجاریوں سے نفرت نہ کرے تو وہ اپنے فریضے کی ادائیگی نہیں کررہا اس کے برعکس جو شخص مشرکوں سے نفرت کرتا ہے تو ان کے معبودوں سے تو خود بخود نفرت ہوجائے گی۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (مریم:۴۸)

''(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) میں تم سے اور جن جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سب سے جدا ہوتا ہوں''۔

اسی طرح اصحاب کہف نے بھی پہلے مشرکوں سے علیحدگی کی اور بعد میں ان کے معبودوں سے جدا ہوئے۔اس نکتہ پرغور کیجئے۔یہ تو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے عداوت کا دروازہ کھول دے گا بہت سے ایسے لوگ ہیں جو خود تو شرک نہیں کرتے لیکن مشرکوں سے عداوت بھی نہیں کرتے۔تمام انبیاء علیہم السلام کے دین کو چھوڑ کر مسلمان نہیں بنا جاسکتا''۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''بعض لوگ توحید سے محبت کرتے ہیں اور شرک سے بچ کر رہتے ہیں لیکن ان کے دین میں خلل اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اہل شرک سے برأت نہیں کرتے' اور اہل توحید کی مدد و نصرت نہیں کرتے۔اس عمل کی وجہ سے دین کی عمارت گرنے کے قریب آجاتی ہے۔ایسا شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔توحید کے بنیادی اصول وضوابط کو چھوڑ کر ایمان درست نہیں ہوسکتا۔ایسا شخص اللہ کے لئے مشرکوں سے دشمنی نہیں کرتا۔اللہ کے لئے دوستی اور محبت نہیں کرتا وہ راہِ راست پر کیسے ہوگا۔اس کا عمل لا الٰہ الا اللہ کے مطابق کیسے ہوگا؟۔(الدرر السنیة:جزء الجھاد ص ۶۸۱)

شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ اسی کتاب الدرر السنیة میں صفحہ ۸۴۲ پر لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کا افضل ترین ذریعہ مشرکوں کے ساتھ دشمنی اور جہاد کرنا ہے اس طریقے سے مؤمنوں کے علاوہ دوسروں کی دوستی سے بچا جاسکتا ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو مشرکوں کی دوستی سے دین میں خلل واقع ہوتا ہے۔لہٰذا ایسی چیزوں سے بچا جائے جس سے اسلام کی بنیاد منہدم ہوتی ہو۔

شیخ سلیمان سحمان رحمہ اللہ کے اشعار کا ترجمہ ہے کہ:

''جو مشرکوں سے اجتناب نہیں کرتا ان سے بغض نہیں رکھتا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مضبوط اور سیدھے دین پر نہیں ہے''۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ہر مسلمان کو صراحت کرنی پڑے گی کہ وہ مؤمنوں سے تعلق رکھتا ہے اور مؤمنوں کو تقویت پہنچا کر طاغوتوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔جو لوگ انتہاء درجے کی دشمنی نہیں کرتے تو کم از کم انہیں ان مؤمنوں کے ساتھ ہونا چاہیے جو کفار سے جنگ کررہے ہوں''۔(مجموعة التوحید)

شیخ حسن اور شیخ عبداللہ رحمہما اللہ (جو محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے صاحب زادے ہیں) سے ایسے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو مسلمان ہے اور مسلمانوں سے محبت کرتا ہے۔لیکن وہ مشرکوں سے نفرت نہیں کرتا' یا دشمنی نہیں رکھتا ہے تو ان کی تکفیر نہیں کرتا' اس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ جو شخص یہ کہے کہ میں مشرکوں سے دشمنی نہیں کرتا یا میں ان کو کافر نہیں کہتا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔

يَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًاۙ o اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا‌ ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا(النساء: ۱۵۱،۱۵۰)

''جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں ہے۔اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ نکالیں۔یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں۔اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے''۔

شیخ سلیمان بن سحمان فرماتے ہیں:(اشعار کا ترجمہ)

''دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنے والے سے عداوت رکھو دوستی کرنے والے ہدایت یافتہ سے محبت کرو اللہ کے لئے مؤمن سے محبت اور سرکش کافر

سے بغض رکھو دین اس چیز کا نام ہے کہ گمراہوں سے دشمنی کی جائے اور دین داروں سے محبت اور ولایت کا رشتہ استوار کیا جائے اگر تم سچ کہتے ہو اللہ تعالیٰ سے تو تمہیں چاہئے کہ دشمنان دین کا انکار کرو اہل حق کے ساتھ سری اور جہری طور پر محبت رکھو اور جب کافر لوگ اسلام کے خلاف بھڑک اٹھیں تو تم مسلمانوں کی مدد کرو جو شخص کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کے لئے یہاں چند شرائط مذکور ہیں ہر مقام پر کفار سے علیحدگی اختیار کرو کیونکہ اس کے بارے میں صریح حکم موجود ہے کافروں کو اعلانیہ طور پر کافر کہو ان کے اعمال کو باطل قرار دو ان کے درمیان اعلانِ توحید کرو ان کو دعوتِ توحید پیش کرو اگر تمہیں شعور ہے تو جان لو یہ ہے دین قیّم اور یہ ہے ملتِ ابراہیم"۔

جن کافروں سے تالیف قلبی کے تعلق استوار کیے جائیں تو ان کے ساتھ ایسی ہی عداوت و برأت کی جائے اگر مشرکین دین الٰہی کے خلاف دشمنی رکھیں تو بھی دل سے لازمی ہے کہ ان سے دوری کی جائے تا کہ ان کے شرک سے محفوظ رہا جا سکے لیکن ہم یہاں بات کر رہے ہیں کہ توحید کا اعلان اور اظہار کب کیا جائے ابتدائی طور پر ظالم و جابر حکمرانوں کو اللہ کی اطاعت کی طرف حکمت اور احسن طریقے سے بلایا جائے اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو ہمارے بھائی ہیں ہم حتی المقدور ان کی اطاعت کریں گے ان کے حقوق ادا کریں گے۔ اگر تمام دلائل کو واضح کرنے کے بعد بھی انکار کریں اور تکبر کی روش اختیار کریں تو ان سے کسی قسم کی مداخلت اور بزدلی نہ کی جائے ۔ بلکہ ضروری ہے کہ اظہارِ نفرت و برأت کیا جائے اس مقام پر ضروری ہے کہ مشرکوں کے لئے ہدایت پر حریص ہونے اور نرمی حکمت' دانائی کے ساتھ دین کی مدد کرنے کے مقابلے میں دین کے دشمنوں سے محبت و عداوت کے اصولوں میں تفریق کی جائے اکثر لوگ اس تفریق کو سمجھ نہیں پاتے اور ان پر بعض نصوص کی تقسیم مشکل ہو جاتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے نہیں جانتے" (یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی ہدایت کے لئے فرمائی تھی ۔ان سے دشمنی رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے۔ از مترجم) اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کو مشرکوں کی ہٹ دھرمی کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے قریب ترین لوگوں کے ساتھ بھی اظہارِ نفرت کیا۔

فرمان الٰہی ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (التوبہ: ۱۱۵، ۱۱۴)

"جب (ابراہیم علیہ السلام پر) واضح ہو گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے ایسے بھی برأت کا اظہار کیا"۔

اس برأت سے قبل ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو حکمت اور احسن طریقے سے دعوت دی تھی آپ کا یہ قول بھی قرآن میں موجود ہے کہ:

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ (مریم: ۴۳)

"اے میرے والد میرے پاس (توحید کا) علم آیا ہے"

نیز آپ کا یہ قول کہ:

اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ (مریم: ۴۵)

"اے میرے والد میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب نہ پکڑ لے"۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ساتھ بھی ابتداء میں حکمت سے کام لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہ: ۴۴)

"تم (اے موسیٰ اور اے ہارون علیہما السلام) دونوں اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے"۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے بموجب ابتداء میں فرعون کو نرمی سے سمجھایا کہ:

هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (النازعات: ۱۸، ۱۹)

"کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔ اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تا کہ تو (اپنے رب سے) ڈرنے لگ جائے"۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور معجزات دکھائے ،لیکن جب یہ دیکھا کہ فرعون سرکشی ہٹ دھرمی اور باطل پر ڈٹا ہوا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (الاسراء: ۱۰۲)

”یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں۔اے فرعون میں تو سمجھ رہا ہوں تو یقیناً برباد وہلاک کیا گیا ہے“۔

بلکہ آپ نے اس سے بڑھ کر اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا گو ہوئے کہ۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَہٗ زِیْنَۃً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس: ۸۸)

”اے ہمارے رب تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے ہیں اے ہمارے رب (یہ اسی لئے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست ونابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے۔سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں“۔

کچھ لوگ نرمی آسانی اور اخلاق حسنہ پر مبنی آیات کو ایسے محل وموقع پر پیش کرتے ہیں جو ان آیات سے مطابقت نہیں رکھتا ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس مسئلے پر طویل غور وفکر کریں اس کو اچھی طرح سے سمجھیں اگر یہ مخلص ہیں اس تفصیل کے بعد اچھی طرح جان لیں کہ جو لوگ مختلف اسلوب مثلاً نرمی، اخلاق سے دعوت پیش کرنے کی بات کرتے ہیں اور چاہے یہ گفتگو کتب ورسائل کے ذریعے ہو، وہ نرمی کا تقاضا کرتے ہیں ان پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین وشریعت کے بغیر حکم لگانا ناجائز ہے بلکہ کفر ہے۔لیکن اس مکمل وضاحت کے بعد داعی حضرات پھر بھی اپنے غلط مؤقف پر ڈٹے ہوئے ہوتے ہیں اگر چہ یہ لوگ اکثر مواقع پر مسکین اور سادہ لوگوں کو میٹھی میٹھی مگر جھوٹی باتوں میں لگا کر ان پر ہنستے اور ان کی سادگی کا مذاق اڑاتے ہیں۔یہ لوگ زبانِ حال سے اپنی ہی باتوں کو جھٹلاتے ہیں ان داعی حضرات کے اس طرزِ عمل سے شہر در شہر کفر وفساد بڑھ رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ مخلص اور مصلح علماء پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے ان کے لئے مخبروں اور ایجنٹوں کو تیار کیا جا رہا ہے اور اس کے برعکس دین الٰہی کے مخالفین کے لئے تمام راہیں کشادہ کی جا رہی ہیں اللہ تعالیٰ کے دشمن فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے تمام ذرائع ووسائل مہیا کئے جا رہے ہیں اور ہر اس شخص کے خلاف قوانین اور ضابطے مقرر کیے جا رہے ہیں جو شرکیہ قوانین کی مخالفت کرتا ہو یا ان قوانین کے کفر ہونے کا اعلان کرے اور لوگوں پر واضح کرے یہ داعی حضرات ایسے حکمرانوں کے موجود رہنے کا اصرار کرتے ہیں،جن کو لوگوں کے جان ومال اور عزتوں کی کوئی پرواہ نہیں اور ان کا کفر بھی لوگوں پر واضح ہو گیا ہے یہ حکمران شریعتِ الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے اور جانتے بوجھتے اس کے مطابق فیصلے نہیں دیتے ان کے سامنے کسی قسم کی مداہنت ،کمزوری اور بزدلی دکھانا ہرگز جائز نہیں ہے ان کو قابل تعظیم القابات سے نوازنا،عید اور خوشی کے موقع پر مبارکباد دینا،اور ان کی حکومت سے اظہارِ محبت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ واضح طور پر وہی بات کرنی چاہئے جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے کی تھی ہم تم سے، تمہارے شرکیہ قوانین سے اور کفریہ حکومت سے بری الذمہ ہیں۔ہم تمہارا انکار کرتے ہیں ہمارے، تمہارے درمیان عداوت وبغض واضح ہو چکا ہے اور یہ دوری اس وقت تک رہے گی جب تک تم اللہ کی طرف لوٹ نہ آؤ شریعت کے مطیع نہ بن جاؤ۔

ہمیں لوگوں کو ان طاغوتیوں سے محبت اور اطاعت کرنے سے بچانا اور ڈرانا ہے لوگوں کو ان کی ملازمتیں اختیار کرنے سے،ان کے باطل نظام کی مدد کرنے سے روکنا ہے اس کے ساتھ ساتھ باطل نظام وقوانین کے لئے فوج اور پولیس میں شمولیت بھی ان کی مدد کے مترادف ہے اگر ہم سلف صالحین کے نظریے پر غور کریں تو ہمیں بالکل ٹھوس،صاف ستھرا، نظریہ ملتا ہے حالانکہ ان کے دور کے حکمران اور امراء کی حالت موجودہ دور کے اہل طاغوت جیسی نہ تھی اسکے برعکس موجودہ دور کے اہلِ دعوت کے نظریات ان کی تمام تر شہرت کے باوجود یا تو ملتے ہی نہیں یا یہ نظریات واضح نہیں ہوتے سلف وصالحین نہ تو سائنس ،سیاست ،قانون کے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ تھے اور نہ ہی دشمنوں کی چالبازیوں کو دیکھنے کے لئے اخبار وجرائد پڑھتے تھے۔پھر بھی سلف وصالحین اپنے دور کے سلطانوں اور امراء سے دور بھاگتے تھے سلاطین ان کو ملاقات کے لئے طلب کرتے تھے اور مال ودولت کا لالچ دیتے تھے ان صالحین کی طرف اپنی نسبت کرنے والے حضرات کو شیطان نے ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں رکھا ہے یہ اپنے دین کو بگاڑ کر اپنی دنیا کو سنوارتے ہیں یہ لوگ حکمرانوں کی طرف لپکتے ہیں اور حکمران ان سے بیزار نظر آتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین ظالم امراء کے پاس جانے سے منع کرتے تھے حتی کہ وہ علماء دین بھی دور رہتے جو ان حکمرانوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا چاہتے تھے کیونکہ وہ ڈرتے

تھے کہ ہم ان حکمرانوں کے پاس جا کر فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں یا ان کی اکرام وعزت نہ کر بیٹھیں یا ان کے بعض غلط کاموں سے خاموش رہ جائیں ان کے خیال میں دور رہنا ہی بہتر ہے۔محدثِ کبیر سیدنا سفیان رحمہ اللہ کی طرف دیکھئے کہ وہ عباد بن عباد رحمہ اللہ کو خط میں لکھتے ہیں''امراء سے قریب نہ ہونا ان سے میل ملاپ اختیار نہ کرنا شیطان دھوکہ دیتے ہوئے تمہیں کسی مظلوم کی سفارش یا کسی اور کام کے لئے سلطانوں کے پاس لے جائے گا اس سے، بچ کر رہنا کیونکہ فاجر لوگ ایسے کاموں ہی سے ترقی اور زینے چڑھنے کا دھوکہ دیتے ہیں۔(سیر اعلام النبلاء: ۵۸۶/۱۳)

ذرا غور کیجئے! سفیان ثوری رحمہ اللہ نے آج کل داعی حضرات کی''مصلحت'' کو شیطان کا دھوکہ قرار دیا ہے سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ان داعی حضرات کی طرح مشورہ نہیں دیا جو اپنی عمروں کو مصلحتِ دعوت جیسے کاموں میں کھپا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے بھائی اپنے آپ کو ان امراء کے قریب لے جاؤ ان کے ساتھ لگے رہو شاید تمہیں کوئی منصب مل جائے یا کابینہ اور اسمبلی میں کوئی سیٹ مل جائے ان حکمرانوں سے قریب رہ کر تم کسی کی مدد کر سکتے ہو کسی کو ظلم سے روک سکتے ہو تم ایسے مناصب کو ظالموں، فاجروں کے لئے نہ چھوڑو تا کہ وہ اپنی من مانی کرتے رہیں وغیرہ وغیرہ۔سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ایسے مشورے نہیں دیئے بلکہ یہ کہا کہ یہ تو دنیاوی ترقی کا زینہ ہے۔موجودہ دور میں کیا حال ہوگا آپ خود اندازہ لگا لیجئے۔ہم صرف اس دور سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔اللہ اس پر رحم فرمائے جس نے یہ کہا ہے کہ(ترجمہ اشعار)

''لوگوں کو تم دیکھتے ہو کہ وہ بدبختی کی مجلسوں کی طرف لپکتے ہیں۔اور کفر کی اطاعت کرتے ہیں بلکہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ حکم قرآن کے بجائے قانون نصاریٰ حاکم ہے جن لوگوں میں دین کی مخالفت اور حکمرانوں کی رشوت، رچ گئی ہو تو ان کے لئے ہلاکت ہی ہے''۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اکثر اوقات سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بیان کردہ یہ قول فرماتے تھے کہ''جو شخص بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے تو تین کاموں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

1) وہ شخص فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ''جو شخص اسلام میں اچھے طریقے کی رہنمائی کرتا ہے تو اس کو اس کا اپنا اجر اور دوسرے عمل کرنے والے کا اجر بھی ملتا ہے ان دونوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں آتی اسی طرح جو شخص برا طریقہ رائج کرتا ہے تو اس کو خود اس کا گناہ اور اس عمل کرنے والے کا گناہ بھی ملتا ہے ان دونوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی''۔(رواہ مسلم)

2) وہ دل میں بدعت کو اچھا سمجھنے لگ جائے گا۔اور اس بدعت میں مبتلا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

3) یا مجلس اختیار کرنے والا یہ کہنے لگ جائے گا مجھے ان لوگوں کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔مجھے اپنے آپ پر مکمل بھروسہ ہے میں ان کی باتوں میں نہیں آنے کا جو شخص اپنے دین سے لحہ برابر اپنے آپ کو بے پرواہی میں ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دین کو چھین لیتا ہے۔

یہ ہیں علماء دین کے اہل بدعت کے متعلق اقوال وافکار۔اگر چہ ان کی بدعتیں کفر کے درجے تک پہنچنے والی نہیں ہیں جیسا کہ اکثر مقام پر وضاحت کی جا چکی ہے۔لیکن جو لوگ مرتدوں کے ہم نشین ہیں اور قانونِ دنیاوی کے غلام بن بیٹھے ہیں ان کا کیا بنے گا اور اس قول کی طرف دیکھئے''کہ میں اپنے آپ پر بھروسہ کرتا ہوں'' اس قول نے اس دور کے کتنے ہی داعیوں کو پستیوں میں گرا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے گمراہیوں کے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جس پر چلنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ دین کی مدد کر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ظلم کی قربت میں دین کی کوئی مصلحت اور امداد نہیں ہوتی۔دیکھئے سورہ ہود کی طرف جس کی آیات کی سختی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا تھا۔

فرمان الٰہی ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (ھود: ۱۱۳)

''دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ) کی آگ لگ جائے گی۔اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔اور نہ تم مدد کیئے جاؤ گے''۔

آیت واضح کرتی ہے کہ بزدلی اختیار کرنے اور گمراہوں کے رستے پر چلنے کے بعد نہ تو اللہ کے دین کی مدد کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی مصلحت باقی رہتی ہے۔کوئی شخص غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار رہتا ہو تو ہوتا رہے اے لوگو! اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ تا کہ تمہیں جاہل بے شعور، چالباز دھوکہ نہ دے سکے اکثر مفسرین نے (لاترکنوا) کا مطلب بیان کیا ہے کہ تھوڑا سا مائل ہونا بھی نقصان دہ ہے۔

مفسر ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''مشرکوں سے محبت اور نرم کلامی نہ کرو۔ان کی طرف مائل نہ ہو جاؤ''۔
سفیان ثوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''اہل کفار کے لئے جو شخص قلم، دوات یا کاغذ مہیا کرے وہ بھی ان کی محبت میں داخل ہے''۔
شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دشمنوں کی طرف جھکنے، حتیٰ کہ نرم کلامی پر بھی جہنم کی وعید سنائی ہے''۔
اہل نجد کے سلفی امام شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''مشرکوں کی طرف مائل ہونے پر اتنی بڑی سزا اس لئے ہے کہ شرک کا گناہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بڑھ کر ہے شرک کے ساتھ ساتھ، اللہ کی آیات کا مذاق اڑانا' اللہ کے احکام کو عمل وانصاف کے منافی قرار دے کر ترک کر دینا اور بھی بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور مؤمنوں کے نزدیک یہ عمل کفر جہالت اور گمراہی ہے جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی غیرت ہو یا حیا کی رمق باقی ہو تو وہ ضرور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب اور دینی حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر محفل میں اس کفر کا انکار کرے گا۔ دینِ الٰہی کے اظہار کے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کفر وشرک سے اظہارِ نفرت وبرأت کیجئے! اس عظیم فساد کے پھیلنے کے ذرائع پر غور کرتے ہوئے اس کا سدباب کیجئے! شرعی دلائل پر غور کیجئے۔ اگر لوگ مشرکوں اور شرک سے برأت کریں تو خود بخود اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نام لیواؤں کے ساتھی و مددگار بن جائیں گے۔ اور دین اسلام کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں گے۔ (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۶۱)
شیخ کے مذکورہ کلام کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ گویا آپ ہمارے زمانے کی حالت پر گفتگو فرما رہے ہوں۔
شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اے بھائیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ دین کی بنیاد کو مضبوطی سے تھامو! دین کی اول وآخر بنیاد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے۔ اس کلمے کے معانی کا علم حاصل کرو۔ اور اس سے محبت کرو۔ کلمہ پڑھنے والوں کو اپنا بھائی سمجھو! اگرچہ وہ رشتے میں تم سے بہت دور کے کیوں نہ ہوں طاغوت کا انکار کرو۔ ان کو اپنا دشمن سمجھو۔ ان کو پسند کرنے والوں سے بھی نفرت کرو۔ جو ان کی تکفیر نہ کرے اور کہے کہ مجھ پر لازم نہیں کہ میں ان کو کافر سمجھوں تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر لازم کر دیا ہے کہ وہ کفار سے بغض کرے۔ اور کفار کی دشمنی کو فرض قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ کفار ہمارے آباؤ اجداد اور بھائی بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کے لئے! اس کلمے کو تھام لو! اور اپنے رب سے اس حالت میں ملو کہ تم مشرک نہ ہو''۔ (مجموعة التوحيد: ۱/۱۴۱)

تنبیہ!

تمام تفاصیل کے بعد باخبر رہیے کہ ملتِ ابراہیمی کے قیام اور نصرتِ دین کے لئے پوشیدہ اور خفیہ سرگرمیاں اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مذکورہ بالا تمام امور خفیہ سرگرمیوں کی مخالفت نہیں کرتے۔ اس مسئلے کے بارے میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار دلائل لئے جاسکتے ہیں لیکن یہ خفیہ سرگرمی منصوبہ بندی، اور پلان ابتدا میں ہو تو صحیح ہے وگرنہ جب ملتِ ابراہیم کے اظہار اور طاغوت، اور معبودانِ باطلہ کا انکار کرنا ہوگا تو یہ کام پوشیدہ نہیں ہوسکتا بلکہ اعلانیہ دعوت کے ذریعے ہوگا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ:
((لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق))
''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا'' (رواه مسلم)
لیکن طاغوت کے ڈر سے اس دعوت کو چھپانا' یا حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے کے لئے یا عہدوں پر ترقی کے لیے دعوت کو مخفی رکھنا' یہ تو سیرت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج سے ثابت نہیں ہے' بلکہ یہ تو موجودہ تنظیموں کا طریقہ کار ہے۔ جن کے لئے یہ آیت پڑھنی چاہئے کہ ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ'' یعنی ہمارا اور تمہارا دین جدا جدا ہے۔ بہرکیف خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''دعوت وتبلیغ کو اعلانیہ ہونی چاہئے لیکن اس کی منصوبہ بندی پوشیدہ ہونی چاہئے''۔
مذکورہ بالا وضاحت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ بعض افواہ ساز یا دعوت حق کو صحیح طور پر نہ سمجھنے والے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ تم جس منہج کی دعوت دیتے ہو اس پر چل کر ہمارا سارا منصوبہ کھل کر سامنے آجائے گا اس جلد بازی سے ہماری دعوت کے ثمرات وفوائد ضائع ہو جائیں گے ایسے لوگوں کے لئے پہلا جواب تو یہ ہے کہ ''تمہارے یہ ثمراتی خیالات اس وقت تک نتیجہ خیز نہیں ہوں گے جب تک تم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طریقے پر ان ثمرات کی آبیاری نہ کرو گے اس دعوت کے بے مقصد

ہونے پر موجودہ دور کی تبلیغی کوششیں ایک بڑی دلیل ہیں کیونکہ ہمیں مسلمانوں کی نسلِ نو جہالت اور حق و باطل میں التباس کا شکار نظر آتی ہے۔ان کو ُولاء والبراء، (دوستی دشمنی) کا فرق بھی معلوم نہیں ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ علماء حق کا ظہار نہیں کر رہے اگر یہ دعوتِ حق کو بیان کرتے اور ان کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح مصائب سے دو چار ہونا پڑتا تو لوگوں پر حق واضح ہو جاتا' اہل حق و باطل نکھر کر سامنے آ جاتے۔اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچ جاتا خاص طور پر موجودہ دور میں اہم ترین مسائل سے جہالت کا پردہ ہٹ جاتا جیسا کہ مشہور مقولہ ہے کہ''جب علماء تقیہ (جھوٹ) کا سہارا لیں گے اور جہلاء اپنی جہالت پر مبنی موقف اختیار کریں گے تو حق کب ظاہر ہوگا؟ کیسے ظاہر ہوگا؟؟ جب اللہ تعالیٰ کا دین بھی ظاہر نہیں ہو رہا اور ،توحید عملی و اعتقادی کا علم لوگوں کو نہیں وہ کون سے فوائد وثمرات ہیں جن کا انتظار یہ داعی حضرات کر رہے ہیں کیا اسلامی حکومت کا انتظار کر رہے ہیں؟؟ بے شک توحید خالص کو لوگوں پر ظاہر کرنا اور شرک کے اندھیروں سے توحید کی روشنی کی طرف گامزن کرنا ہی اس دعوت کا مقصدِ عظمٰی ہے اگر چہ اس کام کے لئے داعی حضرات کو کتنی ہی تکلیفیں اور آزمائشیں برداشت کرنی پڑیں کیونکہ دینِ اسلام صرف مصائب وآزمائشوں سے ہی ابھرتا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ. (البقرہ: ۲۵۱)

''اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا''۔

دفاع و جہاد سے ہی دین کی سر بلندی اور مختلف قسموں کے شرک سے بچا جا سکتا ہے توحید ہی وہ منتہائے مقصود ہے جس کے لئے آزمائشوں کو جھیلا جاتا ہے اور جس کی چوکھٹ پر قربانیاں دی جاتی ہیں اسلامی حکومت کا قیام تو صرف اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔اصحابِ اخدود کے قصے میں اہل دانش کے لئے عبرت کا سامان موجود ہے۔اخدود والوں میں سے ایک لڑکا تھا جو توحید کا اعلان کرتا تھا۔یہ بہت بڑا داعی تھا اس کے پاس نہ کوئی حکومت تھی اور نہ کوئی طاقت تھی۔اس نے اظہارِ توحید کیا اور دین حقہ کی پشتیبانی کی اور راہِ توحید میں ہی جام شہادت نوش کیا۔

جان دی، دی ہوئی جس کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اصحاب اخدود میں شامل اس نوجوان کو زندگی کی سب سے بڑی کامیابی مل گئی تھی اس کامیابی کے سامنے زندگی کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی جلائے جانے کی یا قتل کیے جانے کی کوئی قیمت ہے حکومت ملے یا نہ ملے چاہے مؤمنوں کو گڑھے کھود کھود کر نذرِ آتش کیا جائے منزل مراد صرف کلمۃ اللہ کی سربلندی' اور مدد ہے ،شہادت ان کی شاہراہ اور جنت ان کی منزل ہے کیا خوب زندگی ہے۔

اب ذرا ان جاہلوں کی باتوں پر غور کیجئے کہ''اس طریقے پر چل کر تو دعوت کا نقصان اور اس کے ثمرات ضائع ہو جائیں گے بھائیو! یہ دعوت تو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے ہے اور دینِ الٰہی کی مدد ونصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ وہ اس دین کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرے گا چاہے مشرکین کو ناپسند لگے یہ وعدہ الٰہی پورا ہو کر رہے گا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور سربلندی کا مخصوص افراد سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ یہ لوگ ہوں گے تو مدد آئے گی اور اگر یہ لوگ نہ ہوئے تو مدد نہ آئے گی' ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ فرمان الٰہی تو یہ ہے کہ۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ لا ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ (محمد: ۳۸)

اگر تم منہ پھیر لو تو (اللہ تعالیٰ) تمہارے بدلے اور لوگوں کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے''۔

ایک اور مقام پر فرمان الٰہی ہے۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (الحدید: ۲۴)

''سنو! جو بھی منہ پھیرے گا تو اللہ بے نیاز اور حمد وثنا والا ہے''۔

مزید فرمان الٰہی ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (المائدہ: ۵۴)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی۔اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی

ہوگی۔ وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے۔ اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا اور زبردست علم والا ہے''۔

یہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کی دعوت جو ہر زمانے میں بہترین گواہی دیتی ہے ان لوگوں کو سخت ترین امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا مگر ان کی دعوت کا نور ختم نہیں ہوا بلکہ ہر لمحے بڑھتا اور لوگوں کے دلوں کو منور کرتا جا رہا ہے آج تک یہی صورت حال ہے کہ ہر روشنی حاصل کرنے والا اس دعوت الٰہی سے منور ہو سکتا ہے اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

ایک مشکل کا ازالہ!

اس مقام پر ایک اور شبہ کی وضاحت بھی ضروری ہے وہ یہ کہ کفار سے اظہار عداوت وبغض اور ان کے معبودانِ باطلہ کا انکار کرنا ہی دعوتِ مسلم کی اصل بنیاد ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے منہج کی ایک واضح صفت ہے اس راستے پر چلے بغیر، نہ تو ہرگز دعوت کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ ہی اللہ کے دین کا اظہار ہو سکتا ہے۔ معرفتِ حق کا حصول بھی ناممکن ہے بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اہلِ حق کی ایک جماعت اظہارِ دعوت کر دے تو دوسروں کی طرف سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور کمزور اور عاجز لوگوں کی طرف سے بطریق اولیٰ اس فرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے لیکن ان لوگوں کو جواباً عرض ہے کہ ذاتی طور پر تو ہر مسلمان پر، ہر زمانے اور ہر جگہ دعوت دینا فرض ہے جیسا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے بغیر کسی شخص کا اسلام درست نہ ہوگا۔ اس دعوتِ حق میں سستی کرنا یا مکمل طور پر اس کو ترک کرنا ایک نئی اور عجیب بدعت ہے اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق تو موجودہ دور کے داعی حضرات کے ساتھ ہے جو لوگوں کو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹا کر اپنی تقلید اور دنیاوی تنظیموں کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں ان داعی حضرات کا دین ہر حالمیں جھوٹ بولتا ہے ان کو بزدلی کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور نہ منافقت کا کوئی ڈر ہے ان لوگوں میں سے وہ علماء مستثنیٰ ہیں جو ذاتی خواہشات اور عقلی دلیل کو پیش نہیں کرتے بلکہ شرعی دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور پر غور کرے گا جس دور میں دعوت ابھی کمزور تھی، تو اس شخص پر تمام حالات واضح ہو جائیں گے۔ مثلاً

''صحیح مسلم میں عمرو بن عبسۃ اسلمی کا واقعہ مذکور ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا کہ میں آپ کی اتباع کرنا چاہتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میرے اور میرے ساتھیوں کی حالت نہیں دیکھ رہے۔ تم ان مصائب کو برداشت نہیں کر سکتے لٰہذا تم اپنے گھر لوٹ جاؤ! جب معلوم پڑے کہ میں غالب آچکا ہوں تو پھر تم میرے پاس چلے آنا''۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ''اتباع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے اسلام کا اظہار کر کے مکہ میں رہنا چاہتا ہوں اس بات سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ تم اس قدر طاقت نہیں رکھتے مجھے تمہارے بارے میں کفارِ قریش کی اذیت کا خطرہ ہے لیکن تم اپنے اسلام پر قائم رہتے ہوئے اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ یہ پہلا شخص تھا جس کو آپ نے دین مخفی رکھنے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان دنوں اللہ کا دین اور دعوتِ اسلام مکمل طور پر مشہور ومعروف ہو چکی تھی اس کی دلیل اسی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ ''کیا تم میرا اور میرے صحابہ کا حال نہیں دیکھ رہے؟'' اسی طرح ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو فرمایا ''اے ابوذر قبولِ اسلام کو مخفی رکھ کر اپنے شہر لوٹ جاؤ جب ہم غالب آجائیں تو پھر تم لوٹ آنا'' لیکن اس سے قبل ابوذر رضی اللہ عنہ نے کفار کے درمیان آکر اظہارِ اسلام کر دیا تھا اس فعل کی بنا پر آپ کو کفار نے قتل کے ارادہ سے مارا پیٹا بھی تھا جیسا کہ بخاری میں مکمل واقعہ موجود ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کے بار بار اظہارِ حق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا نہ ہی موجودہ زمانے کے داعین کی طرح کہا کہ تم نے دعوت کو ضائع کر دیا اور فتنہ کو بھڑکا دیا ہے۔ یا تمہارے فعل سے مصلحتِ دعوت کو نقصان ہوگا یا تم دعوت کو سو سال تک مؤخر کرو ان اقوال سے تو اللہ کی پناہ ہی مانگنی چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام لوگوں کے قائد اور اسوۂ حسنہ ہیں اس دعوتی منہج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے بعض کمزور حال لوگوں کا اپنے دین کو مخفی رکھنا اور دعوت نہ دینا ایک علیحدہ مسئلہ ہے رسول اللہ کی دعوت تو مشہور ومعروف تھی ہر شخص جانتا تھا کہ دعوتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد اور مرکزی نقطہ، طاغوت کا انکار اور اللہ کی بندگی و توحید کا اقرار ہے مشرکین مکہ اسی وجہ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہتے تھے اس دعوت اسلام کے مشہور اور واضح ہونے کے بعد ہی تو ہجرت اور دعوت کے عدمِ اظہار کی ضرورت پیش آتی تھی (یعنی اگر دعوت نہ دیتے تو مشرکین مخالفت بھی نہ کرتے) اگر موجودہ دور کی تھوڑی سی بزدلی (نعوذ باللہ) ان میں موجود

ہوتی تو دعوتِ اسلام اس حد تک نہ پہنچتی۔اس نکتے کی معرفت سے ایک اور اہم فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

ایک اہم فائدہ

جو درج ذیل ہے''مذکورہ بالا واقعات سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ کفار کو دورانِ جنگ دھوکہ دینا اور مسلمانوں کا اپنی افواج میں سے بعض کو چھپانا جائز ہے لیکن یہ اس وقت جائز ہوگا جب دین مکمل طور پر ظاہر ہو چکا ہو اس صورت حال میں مزید دلائل اگر حاصل کرنا ہوں تو کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے واقعے سے بھی دلیل لی جاسکتی ہے اس کے برعکس موجودہ داعی حضرات اپنی عمروں کو طاغوتی افواج کی بزدلانہ حمایت میں گزار کر ضائع کرتے ہیں ان کی موت اور زندگی طاغوت کی خدمت کرتے گزرتی ہے۔اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم تو دین کی مدد کر رہے ہیں یہ لوگ دین کے معاملے میں عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہوئے توحید کو دفنا چکے ہیں ان کے راستے مغربی دنیا کی طرف ہیں اور دین اور طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشرق سے تعلق رکھتا ہے شاید اسی بارے میں یہ شعر بھی ہے

سارت مشرقةً وسرت مغرّباً　　　　شتّان بين مشرّقٍ ومغرّبٍ

ترجمہ:''وہ مشرق اور میں مغرب کی طرف نکل گیا　　　　مشرق اور مغرب میں فاصلے بڑھتے ہی گئے''

عزیزانِ گرامی !ملتِ ابراہیمی کی دعوت اس وقت درست ہوگی جب اس میں اپنے محبوب لوگوں (مشرکوں) سے دوری اور رشتے ناطوں میں جدائی آئے گی اس کے علاوہ جو بھی ٹیڑھے راستے ہیں اور منحرف منہج ہیں' ان کے ذریعے اقامتِ دین کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ عہدوں سے دوری اختیار نہ کریں 'حکمرانوں کا غیض وغضب بھی نہ ہو' محلات' بیویاں' اولادیں اور مال واسباب سب کچھ موجود رہے۔اور اقامتِ دین بھی ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے ان کا ملتِ ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں ہے اگرچہ یہ دعوے کرتے رہیں کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام اور سلف صالحین کے منہج کے پیروکار ہیں ہم نے ان کو بارہا دیکھا ہے کہ یہ منافقین اور ظالمین سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں بلکہ کفار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے آگے بچھ بچھ جاتے ہیں ان کا یہ بزدلانہ برتاؤ، دعوت کے لئے نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کی ہدایت کی امید پر ہوتا ہے بلکہ یہ بزدلی باطل کو مانتے ہوئے ہوتی ہے یہ لوگ اہل کفار کے آگے بطورِ تعظیم کھڑے ہوتے ہیں اور ان کو تعظیمی القابات سے نوازتے رہتے ہے باوجود اس بات کے کہ یہ کفار مسلمانوں کے خلاف جنگ کرر ہے ہوتے ہیں واللہ! ہم نے ان کو دیکھا کہ یہ لوگ صبح وشام اپنے دین کو مچھر سے بھی ارزاں قیمت پر بیچ دیتے ہیں اگر یہ شام کے وقت مؤمن بن کر درسِ توحید ارشاد کرتے ہیں تو صبح کے وقت کفریہ قوانین کے احترام کی قسمیں کھاتے نظر آتے ہیں یہ لوگ خود ساختہ قوانین اور ظالموں کے سامنے مسکراتے چہروں اور میٹھی باتوں کے پیکر بن جاتے ہیں باوجود اس بات کے کہ شب وروز قرآن وحدیث کے دلائل انہیں ظالموں کی طرف مائل ہونے' اطاعت کرنے اور ان پر راضی وخوش ہونے سے روکتے ہیں۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود:۱۱۳)

''اور تم مائل نہ ہو جاؤ ظالموں کی طرف ورنہ تمہیں آگ لگ جائے گی''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء:۱۴۰)

''اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جہاں اللہ کی آیات کا انکا اور اسکا مزاق اڑایا جار ہا ہو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں' (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو''۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ سلیمان بن عبداللہ آلِ شیخ رحمہما اللہ فرماتے ہیں''اس آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ سنے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور مذاق اڑایا جار ہا ہے۔اور وہ شخص بغیر کسی مجبوری کے اسی مجلس میں بیٹھا رہتا ہے تو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے۔اگرچہ ان کفار جیسا کام نہیں کر رہا۔

(الدرر السنية: جزء الجهاد ص۷۹)

اس موضوع کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖ (الانعام:۶۸)

''اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں''۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کی آیات کی عیب جوئی کی جارہی ہو یا نہ کی جارہی ہو کسی حالت میں بھی مشرکوں کے ساتھ بیٹھنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ (الانعام:۶۸)

''اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں''۔

اسی بارے میں ایک اور مقام پر فرمایا۔

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡهِمۡ شَیۡئًا قَلِیۡلًا ۞ اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا (اسراء:۷۴-۷۵)

''اگر ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف قدرے مائل ہو ہی جاتے پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا۔ پھر آپ اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہیں پاتے''۔

اس آیت کے بارے میں شیخ سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کہ جب ایسا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اشرف المخلوقات ہیں کو کیا جارہا ہے تو ہم اور آپ کیا چیز ہیں کیا ہمارے لئے یہ حکم نہیں؟؟ (جزء الجہاد:۴۷)

مؤمنوں کی صفات کی اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں کہ:

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ (المومنون:۳)

''(مؤمن) ایسے لوگ ہیں جو بے کار باتوں سے پرہیز کرتے ہیں''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِیۡنَ لَا یَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا (الفرقان:۷۲)

''اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں''۔

موجودہ دور کے علماء کو خوش فہمی ہے کہ وہ سلف صالحین کے منہج پر ہیں حالانکہ سلف صالحین تو حکمرانوں سے دور رہتے تھے حالانکہ اس وقت کے حکمران آج کے حکمرانوں سے بہتر تھے اس لئے کہ وہ دور صاحبانِ شریعت و ہدایت کا تھا کفر اور ظلم و جبر کا دور دورہ نہ تھا ان سلف صالحین کی گردنوں پر تلوار تھی اور نہ ہی ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئی تھیں۔ وہ مجبور نہ تھے خود مختار تھے موجودہ دور کے داعی حضرات کو حکمرانوں کی حمایت کرنے کی وجہ سے مال و دولت اور سیاسی تحفظ عطا کیا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم دنیاوی لالچ کی بنا پر اظہارِ حق نہیں کرتے تو ٹھیک تھا لیکن یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہم دعوت کی مصلحت اور دین کی نصرت کی خاطر یہ سب کچھ کررہے ہیں۔؟؟ افسوس صد افسوس! کیا یہ لوگ اللہ علیم و خبیر کو دھوکہ دے رہے ہیں جو کہ ان کی سرگوشیوں اور رازوں کو بھی جانتا ہے۔؟؟

اعتراض کا جواب!!!

یہ لوگ اعتراض کرنے والوں کو ناسمجھ اور مصلحتوں سے ناآشنا قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں حکمتِ دعوت کا کوئی علم نہیں ہے یہ لوگ ثمرات کے حصول کے لئے صبر نہیں کرسکتے یا فطری طور طریقوں سے واقفیت نہیں رکھتے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا سیاسی علم ناقص ہے اور یہ تصوراتی محلات میں رہتے ہیں جواباً عرض ہے کہ ان بے چاروں کو خبر نہیں کہ یہ صرف چند لوگوں پر الزام نہیں لگا رہے بلکہ تمام رسولوں اور ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر الزام لگا رہے ہیں کیونکہ ملتِ ابراہیم کا اہم ترین مقصد ہی

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے برأت اور مشرکوں کے گمراہ کن مناہج سے عداوت کرنا ہے ان کو خبر ہی نہیں کہ ان کے اعتراضات ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتے ہیں کہ انہیں بھی دعوتِ اسلوب کی کوئی حکمت نہ تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الممتحنة: ۴)

''تحقیق ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے''۔

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (النساء: ۱۲۵)

''دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر مکمل توجہ دے اور ہو بھی نیکوکار، ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کررہا ہو اور ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ہے''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (الانبياء: ۵۱)

''یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی۔ اور ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے''۔

اس تعریف وتوصیف کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیم سے بے رغبتی کرنے والے کو بے وقوف ٹھہرایا۔ ذرا بتایئے!! کسی بے وقوف کو دعوت کی حکمت اور منہج کی درستگی مل سکتی ہے؟؟ کیا جاہلوں کے مزعومہ راستے سیدھے ہوسکتے ہیں۔؟؟؟

اعلان دشمنی وبرأت ملتِ ابراہیمی کا تقاضا ہے

یادرکھئے کہ مشرکوں سے اعلان دشمنی وبرأت اور ان کے معبودوں کا انکار کرنا ملتِ ابراہیمی کا تقاضا ہے اس تقاضے پر عمل پیرا ہوکر بہت سی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس کٹھن راہ پر چلنے والوں کو پھولوں کی سیج ملتی ہے یا عیش وآرام ملتا رہے گا بلکہ یہ تو صعائب اور تکلیفوں کی رہ گذر ہے لیکن انجام کار جنت میں پھولوں اور مشک وعنبر سے استقبال ہوگا (ان شاء اللہ) مؤمنوں پر رحمٰن راضی رہے گا۔ ہم جان بوجھ کر اپنے آپ کو اور دیگر مسلمانوں کو مصیبتوں میں ڈالنا نہیں چاہتے لیکن اس راستے میں تکالیف جھیلنا اور ان پر صبر کرنا ہی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا دستور ہے تاکہ ان آزمائشوں سے گزر کر کھرے کھوٹے کی پہچان ہوسکتی ہے اس راستے پر ثابت رہنا، خواہشاتِ نفس اور حکومت کے پجاریوں کا کام نہیں ہے اور وہ اس پر کبھی راضی بھی نہ ہوں گے کیونکہ یہ منہج ان کے نظریات سے متصادم ہے ان لوگوں کو اپنے معبودوں اور شریکوں کا انکار کرنا پڑے گا تم دیکھو گے کہ اس کٹھن راہ کو چھوڑ کر اصحابِ حکومت دنیاوی عیش وعشرت میں ڈوبے نظر آتے ہیں ان پر کسی تکلیف کا اثر نظر نہیں آئے گا یہ سنتِ الٰہی ہے کہ لوگوں کو ان کی دینی قدر ومنزلت کے مطابق آزمایا جاتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں سب سے بڑھ کر آزمایا جاتا ہے پھر ان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگوں کو ملتِ ابراہیمی کی اتباع سے بھی دنیا میں مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ انبیاء کے منہج کی اتباع ہوتی ہے۔

جیسا کہ ورقہ بن نوفل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ''تمہاری جیسی دعوت جو شخص بھی لے کر آیا اس کی ہمیشہ مخالفت کی گئی۔'' (بخاری)

اگر ہم ایسے لوگوں کو دیکھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اہل باطل سے دشمنی نہیں کرتے اور ان کے درمیان مطمئن ہوکر رہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ان کی حالتوں پر غور وفکر کریں ان میں کچھ گمراہ ملیں گے کچھ ٹیڑھی راہ پر چلنے والے ہوں گے یا اپنی دعوت میں جھوٹے ہوں گے سلف وصالحین کا بھیس بدل کر سامنے آئیں گے حالانکہ ان جیسے نہ ہوں گے یا یہ لوگ! اپنی خواہشات کی اتباع کریں گے یا ان میں کوئی عقل نہ ہوگی بلکہ ہر کسی کے ساتھ چلنے کے لئے تیار رہیں گے ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو حکومت کے لئے دینداروں کی جاسوسی ومخبری کرتے ہیں اور جو بات ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہی تھی کہ تم سے لوگ دشمنی کریں گے تو یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں بیعت کرتے وقت موجود تھی بیعت کرتے وقت اسد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا ''اے یثرب والو! سوچ سمجھ کر بیعت کرو آج جب تم اس راہ پر نکلے ہو تو جان لو کہ تمام عرب کو چھوڑنا پڑے گا۔ سارے لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے تمہارے بہترین لوگ قتل کیے جائیں گے اگر تم اس کٹھن راہ پر صبر کرسکو تو آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لو! تمہارا اجر اللہ کے ذمے ہے اور اگر تمہیں

اپنی جان پیاری ہے تو آج ہی اس راستے کو چھوڑ دو۔ایسا کرنا کل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل عذر ہوگا۔(وگرنہ بعد میں چھوڑا تو تم کسی عذر کے لائق بھی نہ رہو گے)(رواہ احمد،البیھقی)

موجودہ دور میں داعیوں کے بھیس میں بہت سوں سے واسطہ پڑتا ہے اگر آپ بھی ان میں سے ہیں تو پھر اپنے آپ کو اس منہج ابراہیمی پر چلنے کے لئے پیش کریں کوئی کمی بیشی ہو تو اپنا محاسبہ کریں اگر آپ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو مصیبتوں پر صابر وشاکر رہنے والے ہوں تو اس دعوت کا حق ادا کریں اور ثابت قدمی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔اور اگر آپ قیامِ دین اور اظہارِ حق کی استطاعت نہ رکھنے والے ہوں اور اپنے نفسوں کا خوف کھانے والے ہو تو داعیوں کے بہروپ کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے آپ کو گھر میں بند کر لو اپنے آپ پر توجہ رکھو اپنی اصلاح پہلے کر لو عوام الناس کے معاملے کو چھوڑ دو یا چند بکریوں کو لے کر وادیوں میں چلے جاؤ۔بقول اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے اللہ کے حضور تمہارا بڑا عذر ہوگا۔

جب آپ ملتِ ابراہیمی کے قیام کی طاقت نہیں رکھتے تو طاغوت سے ڈر کر ان سے عداوت چھپا کر۔دعوتِ حقہ کو اس کے صحیح طریقے سے نہ ہٹائیں۔کسی شاعر نے بہت اچھی بات کی ہے کہ:

’’بزدلانہ گفتگو سے بہتر ہے خاموش رہا جائے کسی بری چیز کو پوشیدہ رکھنا بھی بہت اچھا ہے۔پہلے تم حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو پھر تم ہر سرکش طاغوت کی مخالفت کرنا اے لوگو! آج کل کے دور میں میٹھی میٹھی باتیں کرنے والوں اور منبروں پر چڑھنے والوں‘ مجالس میں بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے والوں سے دھوکہ نہ کھانا۔اللہ کی قسم ان میں سے اکثر لوگ ہرگز ہرگز حقیقت اور ہدایت پر مبنی گفتگو نہیں کرتے اور نہ ہی مہلک باتوں کو کھل کر بیان کرتے ہیں دیکھئے! جو لوگ خواہشات کے پیروکار ہیں ظالموں کے ہم نشین ہیں وہ کیسے حقیقت بتائیں گے؟؟ جو لوگ دنیاوی جاہ وجلال چاہتے ہیں اور ممبروں کے طلبگار ہیں وہ کیونکر حق کو ظاہر کریں گے؟ اے میری قوم میری نصیحت یہ ہے کہ تم اس دور کی رنگین دنیا میں کھو نہ جانا شکوک وشبہات پر مبنی موجودہ تہذیب کو چھوڑ کر اللہ کے دین کے لئے زندگی گزارنا!‘‘۔

قارئین کرام! ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ لوگ ایسے اشخاص کا مذاق اڑاتے ہیں جو ان کے انحراف اور گمراہی کی نشان دہی کرتے ہیں مصلحین پر دنیا سے چمٹے رہنے اور دعوت الی اللہ میں کوتاہی کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی دعوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منہج سے ہٹ کر ہے وہ دعوت جس کے ذریعے یہ لوگ فوج‘ پولیس میں عہدے اور قومی اسمبلی اور شرکیہ پارلیمنٹ میں ملازمتیں چاہتے ہیں ان اداروں میں اکثریت ظالموں کی ہے یا اس دعوت کے ذریعے مخلوط تعلیم والی یونیورسٹیوں اور اسکولوں کالجوں کی فحش پارٹیوں میں داخلہ چاہتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس کام سے دعوت کا فائدہ اور دینِ حقہ کا اظہار ہوگا؟۔ہاں اگر ملتِ ابراہیمی کی دعوت میں کوتاہی کی بات کرتے ہو تو واقعی یہ حقیقت ہے کہ دونوں گروہوں نے اس دعوت میں کوتاہی برتی ہے۔

بعض لوگ مسندِ احمد میں منقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’وہ مؤمن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتا ہے۔وہ اس مؤمن سے افضل ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں ہے اور صبر بھی نہیں کرتا‘‘ اس حدیث کو پیش کرنے والوں کو جواب یہ ہے کہ حدیث مشرق کی بات کرتی ہے اور تم مغرب کی بات کرتے ہو لوگوں میں میل جول رکھنا درست ہے مگر جب میل جول نبوی طریقے پر ہو تمہاری خواہشات‘ آراء اور دعوت کے جدید اسلوب پر مبنی نہ ہو اگر یہ ملنا جلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوگا تو پھر اس راہ میں اجر بھی ملے گا اور تکلیفیں بھی آئیں گی۔وگرنہ جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوگا تو پھر اجر کیوں ملے گا۔قبولیت اعمال کی بڑی شرط اتباعِ رسالت ہوتی ہے جس سے غفلت برتی جارہی ہے۔ذرا سوچئے جو شخص مشرکین اور اہلِ فسق وفجور سے عداوت کا اظہار نہ کرے گا اور ان کی گمراہی اور شرک سے اعلانِ برأت نہ کرے گا تو اس کو کون سی مصیبت آئے گی؟؟؟ کون سی آزمائش آئے گی؟ یہ لوگ تو اہل باطل کی ہم نشینی کرتے ہیں تو ان کے چہرے سے خوشی ٹپک رہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال ہوتا دیکھ کر ان کو ایک لمحے کے لئے بھی غصہ نہیں آتا حتی کہ چہرے کا رنگ بھی نہیں بدلتا اپنے ان کرتوتوں کی دلیل دیتے ہوئے اس کو نرمی، حکمت اور وعظِ حسنہ کی مثال قرار دیتے ہیں۔اور کہتے ہیں ہمارے عمل سے لوگ دین سے متنفر نہ ہوں گے اگرچہ نرمی اور حکمت کی کدال سے دین کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی رہیں ان کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں’’اظہارِ حق کو بزدلی یا معاشرے کے ڈر کی بنا پر ترک کرنا ہلاکت، گناہ کبیرہ اور نقصان عظیم کی بات ہے بزدلی اور مصلحت کے شکار لوگوں کا خیال ہے اظہارِ دعوت سے معیشت تباہ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے ایسے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

مخالفت کرنے والے اور آپ کے منہج وطریق کو ترک کرنے والے ہوتے ہیں لوگوں کی رضا وخوشنودی ان کے نزدیک عقلمندی کا ثبوت ہوتی ہے عوام کی محبت کے حصول کے لئے ہر کام کر گزرتے ہیں۔مشرکوں سے عداوت فی اللہ ترک کرنے سے نفسانی خوشی ملتی ہے مگر انجام کار بہت ہلاکت خیز ہوتا ہے جو شخص اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی اختیار نہیں کرتا دراصل اس کو ایمان کا ذائقہ اور مٹھاس نصیب نہیں ہوتا۔عقلمندی کا تقاضا اسی چیز میں ہوتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کرنے اور حرمت الٰہی کو پامال ہوتا دیکھ کر غضبناک ہونے سے ملتی ہے غصہ اگر کسی دل میں ہوگا تو اس کے دل میں غیرت اور زندگی بھی ہوگی جس کا دل مردہ اور بے غیرت ہو اس کو غصہ آتا ہی نہیں اس کو دوستی دشمنی' پاک وناپاک' اچھائی وبرائی کا کچھ پتہ نہیں چلتا ایسے دل میں بھلائی اور خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی''۔ (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۳۵)

تم دیکھو گے کہ بعض لوگ مخلص نوجوانوں پر ہنستے ہیں گوشہ نشینی جو فتنوں کے دور میں کی جانی چاہئے اس گوشہ نشینی اور تنہائی کے متعلق ثابت شدہ نصوص کا ردّ کرتے ہیں۔

یہ لوگ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ایک شعر بہت پڑھتے رہتے ہیں جو آپ رحمہ اللہ نے سیدنا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو لکھا تھا کہ:

یا عابد الحرمين لو ابصرتنا   لعلمت انك بالعبادة تلعب

من كان يخضب جيده بدموعه   فنحورنا بدمائنا تتخضب

''اے حرمین شریفین میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے تو اگر ہماری عبادت (جہاد) کو دیکھے گا تو جان لیگا کہ تو عبادت سے کھیل رہا ہے تو ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے گریبانوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں لیکن ہمارے گریبان ہمارے خون سے رنگین ہوتے ہیں''

لیکن اس شعر کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ اگر آج کل کا عبادت گزار، موجودہ داعین کے گمراہ کن نظریات ودعوت کو دیکھے گا تو، برملا کہہ اٹھے گا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہاری مصیبت سے محفوظ رکھا اور اپنی مخلوقات میں فضیلت دی۔میں کہتا ہوں۔کہاں تمہاری دعوت ونظریات اور کہاں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کا جہاد؟۔ان دونوں میں تو زمین وآسمان کا فرق ہے۔اگر ابن مبارک رحمہ اللہ ان داعیوں کو دیکھتے تو انہیں کہنا پڑتا کہ:

يا عابد الحرمين لو أبصرتهم   لحمدت انك بالعبادة غائب

من كان لا يدعو بهدي نبيه   فهو الجهول بدينه يتلاعب

ترجمہ:''حرمین کے عبادت گزار اگر تو ان لوگوں کو دیکھتا تو ضرور اپنی عبادت پر اللہ کا شکر گزار ہوتا جو شخص نبوی طریقے پر دعوت نہیں دیتا تو اپنی جہالت کی بنا پر اپنے دین کا مذاق اڑاتا ہے''۔

ملتِ ابراہیمی پر عمل کیا مشکل ہے؟

یہ بات درست ہے کہ ملتِ ابراہیمی پر عمل پیرا ہو کر بہت سی تکلیفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن ان مصائب وآزمائشوں کا آخری تعلق عظیم کامیابی اور مددِ الٰہی سے ہے اس راہ پر لوگ دو واضح گروہوں میں بٹ جاتے ہیں ایمان والوں کا گروہ اور کافروں فاسقوں اور نافرمانوں کا گروہ جدا جدا ہو جاتا ہے آزمائشوں سے اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان واضح طور پر علیحدہ نظر آتے ہیں انبیاء ورسولوں کی دعوت اسی طرح پوری ہوا کرتی ہے موجودہ دور کی طرح نہیں کہ شریف وغیر شریف' نیک وبد آپس میں خلط ملط ہیں صاحبِ علم لوگ فاسقوں فاجروں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں متقی اور صالح لوگوں کے مقابلے میں فاسقوں اور فاجروں کو زیادہ عزت دی جاتی ہے حالانکہ ایسے لوگ دینِ اسلام سے بغض ونفرت کرتے اور اس کے مغلوب ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں اس کے برعکس انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت بالکل واضح طور پر شریعت الٰہی کے مخالفین سے برأت وخلاصی پر مبنی ہوتی تھی ان کے معبودانِ باطلہ سے کھلم کھلا دشمنی کی جاتی تھی اللہ کی شریعت کی تعلیم وتبلیغ کے سلسلے میں کسی قسم کی بزدلی اختیار نہیں کی جاتی تھی صدیوں پہلے سیدنا نوح علیہ السلام نے تنِ تنہا اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی تھی آپ علیہ السلام نہ حکمرانوں سے ڈرتے اور نہ ہی ان کی سرکشی سے خوف کھاتے تھے سنو کہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (يونس: ۷۱)

''اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کرلو پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونی چاہیے پھر میرے ساتھ (جو چاہو) کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو''۔

کوئی اپنی قوم سے ڈرنے والا شخص ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''مشرکوں کے لئے یہ واضح چیلنج تھا ایسا چیلنج صرف وہی شخص دے سکتا ہے جس کے دونوں بازوں میں قوت وطاقت ہو اور وہ مضبوط اعتماد رکھتا ہو۔ نوح علیہ السلام نے تو اپنے نفس کو اس خطرے میں ڈال دیا تھا غضبناک الفاظ کے ساتھ مشرکوں کو اپنے اوپر حملہ کے لئے ابھارا تھا۔ کیا نوح علیہ السلام کے پیچھے کسی بڑی قوم کا ہاتھ تھا اس کے پاس تو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت پر یقین کامل تھا۔ ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر ان آیات کی تلاوت کا حکم دیا تھا کہ:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ (یونس: ۷۱)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو) نوح علیہ السلام کی خبر پڑھ کر سنایئے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا''۔

اسی طرح ہود علیہ السلام نے اپنےطا قتور قوم کا سامنا کیا۔ آپ ان کی سرکشی کے سامنے تنِ تنہا کھڑے تھے۔ ایک پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہو کر جمے رہے۔ آپ دیکھئے کہ کس طرح ہود علیہ السلام اپنی مشرک قوم سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔

اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ھود: ۵۵،۵۴)

''میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک بنا رہے ہو اچھا تم سب مل کر میرے خلاف منصوبے بناؤ اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو''

دیکھئے یہ بات وہ شخص کر رہا ہے جو بالکل تنہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اپنے لشکر اور اپنے معبودوں کو اکھٹا کرلو۔ ہود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں۔

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ھود: ۵۶)

''میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔ جتنے بھی جانور ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے۔ یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے''۔

ایک طرف انبیاء کا یہ طرزِ عمل ہے جبکہ دوسری طرف داعی حضرات! اللہ کی شریعت کا انکار کرنے والے طاغوتوں سے بعض مسائل میں شرعی فیصلوں کی بھیک مانگتے ہیں یا اپنی کوششیں فسق وفجور اور شرک پر مبنی اسمبلیوں میں نشستوں کے حصول پر صرف کرتے ہیں ہم ایسے ہی لوگوں کے لئے سید قطب رحمہ اللہ کی وہ تفسیر پیش کرتے ہیں جو آپ نے اس سورہ ہود کی تشریح میں لکھی ہے۔ '' کہتے ہیں ان آیات میں سیدنا ہود علیہ السلام اپنی قوم سے برأت اور چھٹکارے کا اظہار کر رہے ہیں حالانکہ آپ اس قوم کے بھائی تھے آپ اپنی قوم میں جو اللہ کے راستے کو چھوڑ چکی تھی' اس میں اپنی بقا کے امکانات ختم کر رہے ہیں بلکہ اپنی گمراہ قوم سے برأت پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنی قوم کو بھی گواہ ٹھہرا رہے ہیں تاکہ اس قوم کو ہود علیہ السلام کی نفرت کے متعلق کوئی شبہ نہ رہے بعض اوقات انسان اپنی قوم کا سامنا کرتے وقت خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ اور قوم بھی ایسی جو اپنے معبودوں پر یقینِ کامل رکھتی ہو۔ اور وہ شخص ان کے روبرو ان کے عقیدے کو برا ٹھہرائے اور ان کی مذمت کر رہا ہو بلکہ لوگوں کی شدت کو چیلنج کر کے بھڑکا رہا ہو (لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہود علیہ السلام دہشت زدہ نہ ہوئے اور کھل کر مشرکوں کی دشمنی کو مول لیا۔ مترجم) ہود علیہ السلام اپنی تیاری اور استعداد کے لئے کوئی مہلت بھی طلب نہیں کر رہے تھے مشرکوں کے غیض وغضب کو دھیما پڑنے کا وقت بھی دینے کے لئے تیار نہ تھے دعوت الی اللہ کا دعویٰ کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایسے ہی واضح اور صاف موقف پر ڈٹے رہیں۔ دیکھئے! ایک شخص تنہا ہے اس کے ساتھ ایمان والے بہت کم ہیں اپنے دور کے مادی طور پر تمدن یافتہ مالدار وسرکش لوگوں کے روبرو کھڑا ہے ان کی قوم والے ایسے جابر وظالم تھے کہ رحم ان کو چھو کر بھی نہیں گزرتا تھا۔ عیش وعشرت نے ان کو متکبر بنا ڈالا تھا ایک طرف کارخانوں' محلات کو بنانے اور دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی امید رکھنے والے ہیں اور دوسری طرف ایمان اور اللہ پر بھروسہ ہے اس کی مدد کا کامل یقین ہے۔

ہود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جو بھی زمین پر رہنے والا جانور ہے اسکی پیشانی پکڑنے والا اللہ ہی ہے بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے''۔ (ہود: ۵۶)

ہودعلیہ السلام کی قوم کے سرکش متکبر مشرک اللہ کے سامنے رینگنے والے کیڑے مکوڑوں جیسے ہیں جن کی پیشانی کو اللہ تعالیٰ اپنے قہر کے ساتھ پکڑے گا۔ ذرا سوچئے! ان کیڑوں کے اکھٹے ہونے کا کیا خوف؟؟ اگر یہ کسی پر مسلط ہوں بھی تو اللہ کی اجازت کے ساتھ ہی ہوں گے لیکن یہ گمراہ ہمیشہ مسلط رہنے والے نہیں ہیں۔

(تفسیر فی ظلال القرآن)

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح انبیاء کرام علیہم السلام اپنی مخالف قوم کے ساتھ رویہ اختیار کرتے تھے یہ ان کی دعوت تھی جو حق و باطل میں ہمیشہ کے لئے ٹکراؤ پر مبنی تھی انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت میں مشرکوں سے دشمنی و برأت واضح نظر آتی تھی۔ آپ ان کی دعوت میں بزدلانہ رجحان یا مشرکوں سے میل ملاپ پر مبنی افکار نہ پائیں گے اہلِ حق کی اہلِ باطل سے دشمنی کا فریضہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ آدم علیہ السلام کے نزولِ زمین سے لے کر آج تک یہ فریضہ قائم ودائم رہا ہے یہ فریضہ اس لیے ہے کہ اللہ کے دوستوں اور دشمنوں میں امتیاز ہو جائے اللہ کی جماعت اور مخالفوں میں فرق ہو جائے۔ صحیح اور غلط میں امتیاز ہو جائے۔ اور اس برأت پر مؤمنوں کو گواہ بھی بنایا جائے۔ فرمان الٰہی ہے۔

قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ (الاعراف: ۲۴)

”(اے آدم) زمین پر اتر جاؤ، تمہارا بعض بعض کا دشمن ہوگا“۔

اس فریضۂ دوستی و دشمنی پر قافلۂ انبیاء گامزن رہا۔ تمام انبیاء کا دین یہی تھا۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ (الانعام: ۱۱۲)

”اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن۔“

اسی معنی پر مبنی سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۳۱ بھی ہے جس کے مطابق ہر نبی و رسول کی مخالفت کی گئی جن میں بعض کے واقعات بیان کئے گئے اور بعض کے بیان نہیں کئے گئے۔ اس مفہوم کی تائید بخاری شریف کی درج ذیل حدیث بھی کرتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمام انبیاء بھائی ہیں) اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دین کی اصل بنیاد ایک ہی تھی لیکن ان کے فروعی مسائل مختلف تھے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی اسی فریضے پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں یہ صفت بھی شامل ہے کہ ”انہ فرق بین الناس“، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور مؤمنوں میں بنیادی فرق تھے۔ یہ فرق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے کیا تھا۔ آپ شرک اور مشرکوں کے بارے میں کبھی بھی خاموش نہ رہے تھے۔ بلکہ آپ مکہ میں قلیل پیروکاروں اور کمزور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اعلانیہ برأت و دشمنی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ (الکافرون: ۱ – ۶)

”آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کروں گا اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم نے پرستش کی۔ اور نہ تم اس کی پرستش کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی کہ آپ اپنے مخالفوں سے دشمنی والے عقیدے پر ثابت قدم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم الٰہی دیا گیا ہے کہ:

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (یونس: ۱۰۴)

”آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں“۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـئُوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (یونس: ۴۱)

''اگر یہ مشرک آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے ساتھ اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے میں تمہارے اور تم میرے عمل سے بری ہو''۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی تعلیم فرمائی ہے کہ:

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ (الشوریٰ : ۱۵)

''اللہ ہمارا رب اور تمہارا رب ہے ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں''۔

ابوداؤد کی ایک صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک کو فرمایا کہ سوتے وقت سورۃ الکافرون کی تلاوت کیا کرو۔ کیونکہ یہ شرک کی برأت ہے''۔

رسالہ ''اسباب نجاۃ السؤول من السیف المسلول '' کے مصنف لکھتے ہیں ''کلمہ اخلاص لا الٰہ الا اللہ کی چند مضبوط شرائط و قیود ہیں امام الحنفاء ابراہیم علیہ السلام نے صرف اس کو پڑھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمل بھی کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و موالات اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکروں سے دشمنی نہ کی جائے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَ یْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ o اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ o فَاِنَّھُمْ عَدُوٌّلِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (شعراء:۷۷،۷۶،۷۵)

''(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو؟ تم اور تمہارے باپ دادا' وہ سب میرے دشمن ہیں۔ علاوہ رب العالمین کے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنِ o اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ (الزخرف:۲۷،۲۶)

''اور جب کہ ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ علاوہ اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور مجھے ہدایت پر رکھا''۔

وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (الزخرف:۲۸)

''اور ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد میں باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تا کہ لوگ (شرک) سے باز آتے رہیں''۔

امام الحنفاء ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ اخلاص کو اپنی اولاد کے لئے چھوڑ دیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام ایک دوسرے کو یہی وراثت میں دیتے رہے۔ جب ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون میں اس بات کو کہنے کا حکم دیا جو ابراہیم علیہ السلام کہتے رہتے تھے۔ (مجموعة التوحید)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ حق علی الاعلان کیا اس دعوت کو چھپایا نہیں راہِ توحید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سی تکالیف و صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی بزدلی اختیار نہیں کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنت کے وعدے یاد دلا کر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے آل یاسر (رضی اللہ عنہم) صبر کرو تمہارا آخری مقام جنت ہوگا''۔ (رواہ الحاکم)

اسی طرح سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کو فرمایا ''تم سے پہلی امتوں کے مؤمنوں کو زمین میں گاڑ کر ان پر آرہ چلایا جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ ان کی ہڈیوں میں اور گوشت میں لوہے کی کنگھیاں آر پار کی جاتی تھیں۔ یہ تمام سزائیں بھی ان کو دین سے ہٹا نہ سکتیں۔ اللہ کی قسم! یہ دین ضرور غالب آئے گا۔ پھر امن کا بول بالا ہوگا حتی کہ ایک مسافر صنعاء (یمن) سے حضر موت تک جائے گا تو اس کو اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا۔ بھیڑیا اور بکریاں (ایک ساتھ پانی پیئیں گی) لیکن اے صحابہ تم جلد نتائج کی فکر کرتے ہو''۔

(رواہ البخاری)

یہ باتیں اور تسلیاں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیتے تھے اس کے ساتھ ساتھ قریش کے مشرکوں کو کہتے تھے کہ

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ (حمٓ السجدة:۶)

''بے شک میں تو تمہارے جیسا انسان ہوں۔ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک اللہ ہے۔ اس کے لئے سیدھے ہو جاؤ۔ اسی سے بخشش طلب کرو

۔اور ہلاکت ہے مشرکین کے لئے''۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَ كُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ o اِنَّ وَلِيِّ ىَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ o وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (الاعراف: ۱۹۵، ۱۹۷)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے! اپنے شریکوں کو بلاؤ پھر میرے خلاف تدبیر کرو۔ پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے اور تم جن لوگوں کی' اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوتِ توحید کی وجہ سے ظالم لوگ ایک دن بھی آپ سے خوش نہ ہوئے۔ اس دعوت کے لئے ان کے دل کبھی راضی نہ ہوئے۔ بلکہ توحید کو دیکھ کر مشرکین کے سینے جلتے رہے انمیں دشمنی ونفرت کی آگ بھڑکتی رہی کئی مرتبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سودے بازی کی کوشش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی مانند ڈٹ کر ان کی تدابیر اور چالوں کا سامنا کرتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے ہدایت پانے کی بہت خواہش تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ یہ باطل چھوڑ کر حق کو قبول کر لیں۔ لیکن تمام تر خواہش کے باوجود اللہ نے فرمایا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران: ۱۲)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں سے کہہ دیجئے! کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم میں جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے''۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی، اعلانِ حق کے واقعات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح کی شدید ایذائیں دی گئیں اس کے برعکس آج کل کے فتنوں میں مبتلا لوگوں کی حالت دیکھئے کہ یہ لوگ باطل میں مشغولیت اختیار کر کے اسکے سامنے جھکتے ہیں اس کی عظمت بجالاتے ہیں۔ باطل سے محبت کرتے ہیں اس کو پسند کرتے ہیں۔ اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا (الاحزاب: ۱۴)

''اگر شہر میں کوئی گھس آئے اور ان سے مطالبہ کرے دین سے جنگ کرنے کا تو یہ اس مطالبے کو مان لیں گے اس میں دیر نہیں کریں گے مگر تھوڑا''۔

اس آیت کو لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور میں بھی یہ فتنوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جہاد کی باتیں سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ مترجم) ہم اللہ تعالیٰ سے اسلام پر ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ ظاہری' باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس تفصیل سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دین پر ایمان لانے والے تھے ۔ اگر یہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مشرکوں سے برأت نہ کرتے مشرکوں اور ان کے معبودوں کو برا نہ جانتے اور اس کا اعلان نہ کرتے تو آپ کو کوئی تکالیف برداشت نہ کرنا پڑتیں۔ (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۲۴)

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ' سورہ کافرون کی تشریح میں لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ کافروں کو برملا کہہ دے کہ میں تمہارے دین سے بری ہوں اور میرے توحید والے دین سے تم بری ہو اس کا مطلب ہوا وہ مشرکین کافر ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بالکل بری الذمہ ہیں۔ ہر مبلغ رسالت پر لازم ہے کہ وہ بھی یہی الفاظ ادا کرے۔ دین کا اظہار صرف اس فعل سے ہوگا اس لیے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا تو مشرکین ان کے دشمن بن گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام میں کوئی رخصت پاتے تو ہجرت کا حکم نہ دیتے۔ (سبيل النجاة والفكاك: ٦٧)

ایک شبہ کی تردید

اس مقام پر ملتِ ابراہیمی سے ناواقف اور توحید سے نا آشنا جہلاء اکثر یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ ملتِ ابراہیمی ہمارے لئے نہیں ہے یہ شریعت ہمارے لئے منسوخ ہو چکی ہے اس بات کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں موجود بتوں کو نہیں توڑا تھا۔حتی کہ بعض معروف شیوخ جن کی کتابوں سے بازار بھرے ہوتے ہیں انہوں نے ایک لیکچر میں کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے ملت ابراہیمی سے اعراض کیا (نعوذ باللہ) آپ مکہ میں تیرہ برس رہے مگر آپ نے بتوں کو نہیں توڑا۔؟؟؟

جواب

جواباً گزارش ہے کہ تمہاری کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے تمہیں ملتِ ابراہیمی کی سمجھ نہیں آرہی ہے۔کیونکہ بتوں کے توڑنے کے مسئلے کو ہی ملتِ ابراہیمی سمجھ کر تم نے اپنی تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑا تھا۔تمہارا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام کی شریعت کا مقصد صرف یہی تھا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ بتوں کو نہیں توڑا تھا لہٰذا تمہاری نظروں میں ساری کی ساری ملت منسوخ ہو چکی ہے؟۔اور ہمیں اس ملت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہئے۔تمہارے اس قول کا لازمی تقاضا تو یہ سامنے آتا ہے کہ قرآن کی وہ تمام آیات جس میں مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور دیگر تمام انبیاء کی دعوت و نظریات کی تفصیل دی گئی ہے ہمارے لئے بے کار و بے فائدہ ہیں۔

ابن القیم رحمہ اللہ کا یہ شعر ہے۔

ترجمہ: ''جس کا انتہائے علم صرف اتنا ہی ہو۔تو اس کو چاہئے کہ وہ خاموشی سے اپنی جہالت کو چھپالے''

اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ اپنی کتاب میں بے کار عبث چیز کو ذکر کرے اس قسم کے شبہات اس لائق نہیں ہیں کہ ان کا تفصیلی رد کیا جائے یہ تو صرف ذہنی پریشان خیالی ہے جو صرف کم علمی کی بنا پر پیدا ہوتی ہے آپ گزشتہ صفحات میں ملتِ ابراہیم علیہ السلام کی تفصیل سے سمجھ چکے ہیں آپ نے جانا کہ یہ ملتِ اسلام کی بنیاد اور لا الہ الا اللہ کا صحیح مفہوم ہے اس کے مقاصد وہی ہیں جو کلمہ اخلاص کے ہیں یعنی مشرکوں سے برأت اور خالص اللہ کی توحید کا اقرار اور موحدین سے دوستی رکھنا ہے یہ ملت شریعتِ اسلام کی محکم اساس ہے۔اگر دنیا بھر کے عالم جاہل مل کر اس کی تردید کرنا چاہیں تو بھی نہ کر سکیں گے ہم نے یہ وضاحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے ان کی سیرت بیان کر کے بتایا ہے کہ کیسے انہوں نے مشرکوں سے بغض وعداوت اور اظہارِ برأت کیا اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ میں ان الفاظ سے خوشخبری سنائی کہ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (الممتحنة: ٦)

''یقیناً تمہارے لئے (ابراہیم علیہ السلام) میں اچھا نمونہ ہے خاص کر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو۔اور جو روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے''

آپ نے گزشتہ صفحات سے معلوم کیا کہ ملتِ ابراہیم کے مقاصد کیا ہیں جس کی دعوت ہم دیتے ہیں اور موجودہ مسلمان اس دعوت میں کوتاہیاں برتتے ہیں تم نے دیکھا کہ یہی وہ راستہ ہے جس میں مدد الٰہی نازل ہوتی ہے۔دین کو سرفرازی ملتی ہے اور شرک نیست ونابود ہو جاتا ہے اس کے باوجود یہ الفاظ کہنا جو مذکورہ شیخ نے اپنی تقریر میں کہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جو ۱۳ برس تک بتوں کو توڑا نہیں۔اور ان کے بتوں کے خلاف اظہارِ عداوت و دشمنی نہیں کیا'' ان الفاظ کو سن کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ تم اپنے آپ کو یہودی، عیسائی، یا مجوسی کہنے لگ جاؤ اور ملتِ اسلام کو چھوڑ دو۔

اب رہی یہ بات کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو حقیقی طور پر توڑا تھا؟ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے توڑا تھا تو تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ قریش کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بالفعل بتوں کو توڑا تھا ہماری مراد فتح مکہ کے بعد نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دورِ کمزوری کے وقت یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔مسندِ احمد، ابویعلیٰ اور مسندِ بزار میں حسن سند کے ساتھ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کعبہ میں گئے۔آپ نے مجھے فرمایا بیٹھ جاؤ۔پھر آپ میرے کندھوں پر سوار ہونے لگے تو آپ

نے میری کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے ارادہ ترک کر دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر چڑھ کر بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اوپر اٹھایا تو مجھے یوں لگا جیسے میں آسمان کو چھو رہا ہوں چھت پر پیتل کی بنی ہوئی مورتیاں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو توڑ دو میں انہیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ چاروں جانب وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئیں جیسے شیشے کے برتن ٹوٹتے ہیں۔ پھر میں نیچے اتر آیا اور ہم گھروں کے پیچھے چھپتے چھپتے اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں کوئی مشرک ہمیں دیکھ نہ لے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مجمع الزوائد میں اس حدیث کا باب ان الفاظ میں لکھا ہے (یہ باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتوں کے توڑنے کے بارے میں ہے) اور اس حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں ''اس واقعے کے بعد بیت اللہ کی چھت پر کوئی بت نہ رکھا گیا'' امام ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس روایت کی تمام سند ثقہ درجے کی ہے۔ ابو جعفر طبری رحمہ اللہ نے ''تہذیب الآثار'' میں اس حدیث کے بعض فقہی فوائد بھی لکھے ہیں۔ (دیکھئے: مسند علی ص ٢٣٦ تا ٢٤٣ تک)

اس حدیث کی بنا پر ہم کبھی یہ کہتے ہوئے کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ استطاعت ہو تو یہ فعل بھی انجام دینا چاہئے یہ بت کسی چیز کا ہو، چاہے کوئی مورتی ہو، قبر، طاغوت ہو، کوئی نظام حکومت ہر زمانے میں بتوں کی شکلیں اور صورتیں بدلتی رہتی ہیں ہماری دعوت ہے کہ ہر بت کے خلاف اعلان بغض ونفرت کرتے ہوئے جہاد کیا جائے۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح نہ ہوتی تو بھی ہم یہ ضرور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیم کے سخت ترین پیروکار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمحہ بھر بھی مشرکوں اور ان کے معبودوں سے خاموش نہیں ہوئے مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ١٣ برس صرف اسی توحید کی اشاعت میں گزرے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ٣٦)

''اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو''۔

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ١٣ برس مکہ میں بیٹھے رہے۔ ان بتوں کی تعریف کرتے تھے یا ان کا احترام کرتے تھے جیسا کہ موجودہ دور کے بہت سے داعی حضرات، مشرکانہ قوانین کا احترام کرتے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور ان کے شرک سے اعلانیہ برأت کرتے تھے اپنی دعوت کا آغاز ان کے جھوٹے معبودوں کی مذمت سے کرتے تھے باوجود اس بات کے کہ آپ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم طاقتور نہ تھے۔ اگر آپ مکی آیات پر غور کریں گے تو سارا مسئلہ واضح ہو جائے گا بطور مثال ایک آیت درج ذیل ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الأنبياء: ٣٦)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ منکرین تجھے جب بھی دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق اڑاتے ہیں کیا یہی ہے وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کرتا ہے ؟ اور وہ (مشرک) خود رحمٰن کی یاد سے بالکل منکر ہیں''۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''مشرکین کہتے تھے کیا یہ وہ نبی ہے جو تمہارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور امیدوں آرزوؤں کے خلاف کرتا ہے''۔ مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ ایک اور روایت ہے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق ہے، اس حدیث پر آپ غور وفکر کیجئے اور دیکھئے کہ کفار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات بیان کرتے ہیں وہ اپنے معبودوں کی شان میں گستاخی کے بارے میں کیا بات کرتے ہیں اس حدیث پر غور کریں کہ کیسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا اور اکیلا دیکھ کر پوچھتے ہیں ''کیا آپ نے ہمارے خلاف باتیں کہی ہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی بزدلی اور خوف کے جواب دیتے ہیں ہاں! میں نے ہی ایسی باتیں کی ہیں! مکمل روایت درج ذیل ہے۔

((قال عبدالله بن احمد بن حنبل حدثني ابي قال يعقوب :حدثنا أبي عن ابن إسحاق قال: وحدثني يحي بن عروة بن الزبير عن أبيه عروة عن عبدالله ابن عمرو بن العاص قال))

''کہ عروۃ رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے پوچھا تم نے اکثر اوقات ایسے واقعات دیکھے ہوں گے جس میں قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دشمنی ظاہر کرتے ہوں گے۔ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا ''ایک بار میں مقام حجر پر قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ جمع تھا۔ وہ سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہنے لگے ''اس سے زیادہ ہم نے کسی پر صبر نہیں کیا یہ ہمارے خلاف باتیں کرتا ہے، ہمارے دین کو برا کہتا ہے اور ہمارے آباؤاجداد کو گالی دیتا ہے ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخی کرتا ہے اس شخص پر ہم نے بڑا صبر کیا ہے۔ انہی دنوں کا ایک اور واقعہ ہے کہ ہم سب جمع تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت الشامیین حجر اسود کا بوسہ لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعتِ قریش کے قریب سے گزرے لوگوں نے آنکھوں سے اشارہ کیا (یعنی مذاق اڑایا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے دو چار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا غمزۂ اشارہ برداشت کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ میں تمہارے پاس قربانی کے ساتھ آیا ہوں'' لوگوں خاموش ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے لگے ہر شخص ایسے تھا جیسے اس کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو (اگر حرکت کرے گا تو پرندہ اڑ جائے گا مراد خاموشی ہے۔ مترجم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس میں سخت ترین وعظ ونصیحت فرمایا ایک شخص کہنے لگا' اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوٹ جایئے۔ آپ ہدایت پر ہیں' میں جاہل نہیں ہوں یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے۔ اگلے دن تمام اہل قریش حجر اسود کے مقام پر موجود تھے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کل تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں چھوڑ دیا جب کہ آپ ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخی کررہے تھے۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تمام لوگ لپک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اکٹھے ہوگئے پوچھنے لگے کیا تم نے ہمارے فلاں فلاں کے خلاف بات کی ہے؟ انہوں نے اپنے معبودوں کے عیب کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے ہی یہ باتیں کی ہیں۔ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو کھینچ لیا اسی وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور روتے ہوئے کہنے لگے'' کیا تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے''۔ (مسندِ احمد ۷۰۳۶ ـ قال احمد شاکر اسنادہ صحیح)

ایک اور روایت میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں چادر ڈال کر سختی سے کھینچا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا اور کہا'' کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور اپنے رب کی طرف سے دلائل لے کر آیا ہے''۔ (مسندِ احمد ۲/ ۲۰۴)

صحیح بخاری میں ملائکہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ فرشتوں نے آپس میں گفتگو کے دوران کہا'' اس نبی نے لوگوں میں تفریق ڈال دی ہے (یعنی مسلمانوں اور کافروں کو جدا جدا کر دیا ہے) اس کے علاوہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنانِ دین کے سخت ترین مخالف تھے ان سے واضح دوری اختیار کرلیتے تھے۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کی طرح نہیں کہ جو دین دار ہوکر اہلِ باطل کی طرف مائل ہوتے ہیں یہ لوگ اہل باطل کی مدد ونصرت کرتے ہیں بزدلی کی انتہاء کو پہنچ گئے ہیں یہ مسئلہ اب دشمنی کا نہیں رہا ہے بلکہ اب تو وطنی مفاد کے نام پر ایک دوسرے سے تعاون واتحاد تک پہنچ چکا ہے یہ لوگ کفار کے ہم نوالہ وہم پیالہ بن چکے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شیخ عبدالرحمٰن حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''یہ لوگ فتنوں میں حد درجہ مشغول ہو چکے ہیں ان کے دل ظلم وزیادتی پر مطمئن رہتے ہیں یہ لوگ خوشی ناخوشی کفار سے مل کر دنیاوی عیش وعشرت کے حصول کے لئے ہر کام پر راضی ہو چکے ہیں ذرا بتایئے جو دل ہر میدان میں خواہشات نفس کا پجاری ہو وہ ایمان پر بھلا کیسے مطمئن رہ سکتا ہے ابن القیم رحمہ اللہ نے دنیاوی طور پر مال ومتاع وافر حصہ پانے والے لوگوں کی جو مثال دی ہے یہ بھی انہی میں شامل ہیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمان الٰہی ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران: ۱۸۸)

''وہ لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں۔ آپ انہیں عذاب سے چھٹکارا پانے والے نہ سمجھیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

یہ لوگ اپنی بدعات وگمراہی پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں سنت کے تابعدار مان کر ان کی تعریفیں کی جائیں۔ یہ باتیں اکثر ان لوگوں میں پائی جاتیں ہیں جو عالم مشہور ہیں۔ اور اپنے آپ کو صراطِ مستقیم کا دعوے دار کہتے ہیں۔ ((الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۲۷)

ایک اشکال

بعض لوگ اس مقام پر ایک اشکال پیش کرتے ہیں کہ ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل شرک کے معبودوں کو برا کہتے ہیں ان کے دین کی عیب جوئی کرتے ہیں اور دوسری طرف (سورہ انعام آیت ۱۰۸) میں اللہ کا فرمانا ہے: ''اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' کیونکہ

پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے'' ان دو مسئلوں میں کیا مطابقت ہوگی؟ کہ ایک میں حکم ہے اور دوسری آیت میں اسی کام سے منع کیا گیا ہے۔

جواب

گزشتہ صفحات پر جو بھی تفصیل کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ملتِ ابراہیم کا مقصد معبودانِ باطلہ کے عیب بیان کرنا ان کی عزت کو گھٹانا اور ان کو برا کہنا ہے یہ صرف سَب و شتم اور گالی نہیں ہے اس کا اصل مقصد توحید کا بیان کرنا ہے اور دیگر مقاصد درج ذیل ہیں۔

❶ ان خودساختہ متفرق اور باطل معبودوں کا انکار اور ابطال کرنا اور لوگوں کے لئے بیان کرنا ایک اہم مقصد ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّـذِیْـنَ تَـدْعُـوْنَ مِـنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَـادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اَلَهُـم اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْـطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُـلِ ادْعُـوْا شُرَكَآءَ كُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَـلَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنَّ وَلِيِّ ـَ اللّٰهُ الَّـذِیْ نَـزَّلَ الْـكِتٰـبَ وَهُـوَ يَتَـوَلَّـى الـصّٰلِحِيْنَ ○ وَالَّـذِيْـنَ تَـدْعُـوْنَ مِـنْ دُوْنِـهٖ لَا يَسْتَـطِيْـعُـوْنَ نَـصْـرَكُـمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ
(الاعراف: ۱۹۴، ۱۹۷)

''واقعی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا پورا کردیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہوں آپ کہہ دیجئے! تم اپنے سب شرکاء کو بلالو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو، پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو، یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر، عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکتے اور نہ وہ اپنی مدد کرسکتے ہیں''۔

اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِیْ عَنْکَ شَيْئًا (مریم: ۴۲)

''اے میرے والد! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں''۔

معبودانِ، باطلہ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَفَـرَءَ يْتُـمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ وَمَـنٰـوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ اَلَـكُـمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِـلْـكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ اِنْ هِـیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَـمَّيْتُـمُـوْهَـآ اَنْتُـمْ وَاٰبَـآؤُكُـمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ○ اِنْ يَّتَّبِـعُـوْنَ اِلَّا الـظَّـنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَـقَـدْ جَـآءَ هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى(النجم: ۱۹، ۲۲)

''کیا تم نے لات اور عزّی کو دیکھا اور مناۃ تیسرے کو (دیکھا؟) کیا تمہارے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہیں؟ یہ تو بڑی ناانصافی کی تقسیم ہے دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری یہ لوگ تو صرف اٹکل اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے (مگر یہ اس ہدایت کی پیروی نہیں کرتے)۔''

اسی طرح مشرکوں کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ بت عبادت کے لائق نہیں ہیں۔ ان کا نام قرآن میں طاغوت رکھا گیا ہے اس کی عبادت کرنے کو شیطان کی اطاعت کہا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بت جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

❷ دوسرا مقصد توحید کا عملی قیام ہے جو مشرکوں سے اظہارِ دشمنی سے ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا۔

قَالَ اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّلِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء:٧٧،٧٥،٧٦)

''کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) کیا کچھ تمہیں خبر ہے تم کن بتوں کی عبادت کر رہے ہو تم اور تمہارے آباؤ اجداد میرے دشمن ہیں۔ علاوہ رب العالمین کے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (الانعام:٧٨)

''(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم' جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سب سے میں بری ہوں''

اس کے علاوہ مشرکوں سے اعلانِ برأت پر مبنی سورۃ کافرون میں یہی مفہوم ذکر ہوا ہے۔ ان تمام آیاتِ ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی فائدے کے فساد بھڑکانا اور کسی کو عار اور توہین کا احساس دلانا درست نہیں ہے کیونکہ اس کے جواب میں جوش غیض وغضب سے مشرکین' اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں اور کبھی کبھار بغیر ارادے کے بھی یہ گستاخی ہوسکتی ہے خاص طور پر وہ مشرکین جو اہلِ مکہ کی طرح ربوبیت کے قائل ہیں اور اسی طرح توحید کا عملی اظہار طاغوت کی بندگی سے دشمنی ونفرت کرنے سے بھی ہوتا ہے ملتِ ابراہیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ لوگوں کو طاغوت سے کفر و برأت کی دعوت دی جائے اور طاغوت کے وہ دوست' جو طاغوتی حکومت پر اصرار کرتے ہیں ان سے دوری اختیار کی جائے' ہمیں چاہئے کہ ہم اس نظام کی گندگیوں' جعل سازیوں اور شریعتِ الٰہی سے متصادم ومتضاد ہونے کا انکشاف کریں اس نظام کے بہت سے احکامات ایسے ہیں جو شریعت کے برعکس ہیں۔ مثلاً سودخوری' فحش وفجور پھیلانے سے منع نہ کرنا، زنا کاری، تہمت، چوری، اور شراب نوشی کے بارے میں حدود اللہ کے نفاذ کے بجائے کافرانہ نظام نافذ کرنا یہ سب احکام شریعت سے متضاد رہے ہیں اس نظام کی بنا پر کسی کو برا کہنا بھی اس آیتِ ممانعت میں شامل نہیں ہے۔ اگرچہ اہلِ طاغوت اس کو گالی سمجھیں یا کچھ اور! لیکن ہم پر ان کی برائیاں اور عیوب بیان کرنا فرض ہے (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے) بغیر کسی وجہ کے اور محض فتنہ بھڑکانے کے لئے اہلِ طاغوت کو گالی دینا اس آیت کی رو سے منع ہے کیونکہ جہلاء دین اور اسلامی طریقوں کو برا کہیں گے اگرچہ وہ خود اسلام کے دعوے دار ہی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقراری بھی ہوں گے جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے لہٰذا اس آیت ''فیسبوا اللہ'' سے مراد ہے کہ اسلامی احکام کا حکم دینے والے کو گالی دینا بھی' اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتی ہے۔ لیکن ان لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا جس طرح دو بھائی ایک دوسرے کو باپ کی گالی دیتے ہیں حالانکہ دونوں کا باپ ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر غیض وغضب سے بھرا ہوا جھگڑا کرنے والا سوچ وفکر سے اندھا ہو چکا ہوتا ہے۔

مفسر قرآن محمد رشید رضا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے طریقے سے کسی کو گالی دینا جس میں مخاطب کی توہین ہو (تو یہ طریقہ ناجائز ہے) کیونکہ ہر گالی دینے والے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کو ذلیل کیا جائے لیکن دعوتی کاموں میں عقل کا دارومدار زیادہ ہوتا ہے مخاطبین کو ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں متنبہ کرنا ضروری ہوتا ہے ان کو بتانا چاہئے کہ یہ معبود سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے تمہاری سفارش تو کجا یہ اپنے آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہمیشہ سیرتِ ابراہیم علیہ السلام پر غور کرنا چاہئے کہ کس طرح انہوں نے خود ساختہ معبودوں کے باطل ہونے کا پردہ چاک کیا۔ ان کو توہین کا احساس دلائے بغیر' عقل سے کام لینے اور غور وفکر کرنے پر ابھارا۔ دیکھئے! ابراہیم علیہ السلام کس سخت پیرائے میں سوال کرتے ہیں۔ اور مشرکین سر جھکائے' حیران و پریشان کھڑے ہیں۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانبیاء:٦٧)

''تم پر افسوس ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر کن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟''۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما والی گزشتہ تحریر کی گئی روایت کے الفاظ پر اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اہلِ قریش کو جب یہ خبر ملی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دین اور معبودوں کے عیب بیان کرتے ہیں تو انہوں نے سوال کیا' کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلاں فلاں بات کی ہے؟ کسی کا عیب بیان کرنا اہلِ عرب کے نزدیک گالی دینے کے مترادف تھا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی عیب جوئی کو سب وشتم قرار دیا ہے۔

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول:٥٢٨)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ملتِ ابراہیمی کی اتباع کرنے والے اور دعوتِ توحید قائم کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیب جوئی کو اس مقام پر سب

وشتم قرار نہیں دیا کیونکہ توحید کا ہر کام مشرکوں کے نزدیک گالی ہے کیونکہ توحید سے ان کا دین باطل ہوتا اور ان کے معبودوں کو تو الوہیت کی تمام صفات سے خالی قرار دیا جاتا ہے یہ ان کے معبودوں کا عیب کرنا ہی تو ہوا؟ اسی طرح مشرکوں کے آباواجداد کو گمراہ کہنا بھی ان کے نزدیک توہین ہی ہے اور یاد رہے کہ ان کے آباواجدد کو گمراہ قرار دینا صرف ذاتی عیوب کی بنا پر نہ ہو بلکہ گمراہی سے مراد تقلیدِ مشرکین ہو۔

مفسر قاسمی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں امام رازی کا قول بیان کیا ہے ''اس آیت میں مبلغین کے لئے تأ دیب بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسے کاموں میں مشغول نہ ہوں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو بتوں کے بارے میں صرف یہ کہنا چاہئے کہ یہ پتھر ہیں فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں صرف اتنا ہی کافی ہے مزید کوئی گالی دینے کی ضرورت نہیں ہے اگر چہ مشرکین اتنا کہنے پر بھی راضی نہ ہوں گے کیونکہ اس بات سے ان کے معبودوں کا انکار ہو رہا ہے لہٰذا اس بات کو وہ گالی ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے آباواجدد کو گمراہ کہنا ان کو برا لگتا ہے جیسا کہ مشرکین کہتے تھے۔ ''اس نبی نے ہمارے آباءواجداد کو گالی دی ہے ہماری اور ہمارے دین کی عیب جوئی کرتا ہے ہماری جماعت واتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے''۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چھ مقام ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے دوسرے مقام پر آپ لکھتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکوں کے دین کو غلط قرار دیا اور مشرکوں کو جاہل کہا تو سب مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت میں ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے یہ ہمارے دین کو برا کہتا ہے ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام ،فرشتوں علیہم السلام، بزرگوں کو گالی نہیں دی تھی۔ لیکن جب آپ یہ ذکر کرتے کہ یہ لوگ نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں ان کو پکارو مت، تو مشرکین ان باتوں کو بھی گالی ہی سمجھتے تھے۔

خلاصہ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ تمام باتیں اس آیت کی رو سے منسوخ نہیں ہیں۔ کسی مسلم کے لئے جائز نہیں ہے کہ اظہارِ توحید اور دین کے شرعی فریضوں کو ایک لمحے کے لئے بھی چھوڑ دے۔ کوئی شخص توحید کو برا کہتا ہے۔ تو یہ اس کی جانتے بوجھتے دشمنی ہوگی۔ اگر ہم یوں اپنے دین کو مخفی رکھنے لگ جائیں تو سارے دین کو چھوڑنا پڑے گا۔ کافروں کو خوش رکھنے کے لئے ہر کام سے رکنا پڑے گا کیونکہ سارے دین میں ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت کے احکامات ہیں۔ اس مقام پر غور و فکر کیجئے۔ پھر موجودہ دور کے طاغوتوں کی ان باتوں کو اس شرعی احکام کے تناظر میں دیکھئے جو وہ اپنے کفریہ نظام اور دستور کے بارے میں کرتے ہیں۔ ان تمام آیات کے معانی کو صرف پتھروں کے بتوں محدود نہ کریں۔ وگرنہ ایک بڑی اور وسیع چیز بالکل محدود ہو کر رہ جائے گی۔

ایک اہم وضاحت

کسی کو برا کہنے سے روکنے کا قاعدہ فرائض کے بارے میں لاگو نہیں ہوگا بلکہ صرف مباح اور مستحبات میں ہوگا۔ فرائض اسلام میں سے کسی فریضے مثلاً توحید کا بیان اور مشرکوں کو باطل قرار دینا کسی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ بعض افراد کا خیال ہے اگر ہم فرائض کو چھوڑنے لگ جائیں تو سارا دین ضائع ہو جائے گا۔ اسی لیے ابوبکر العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''حق بیان کرنے سے اگر دین کا نقصان ہو رہا ہو تو حق بیان نہیں کرنا چاہئے اس مسئلے پر مزید غور کرنا چاہئے کہ اگر حق بات کسی شرعی فریضے کے متعلق ہے تو پھر اسے ہر حال میں بیان کرنا ہوگا۔ اور اگر کسی جائز مباح کام کا بیان ہو رہا ہو تو دینی نقصان سے بچنے کے لئے خاموشی بہتر ہے۔ واللہ اعلم!''۔
(احکام القرآن: ٤٧٣)

مفسر رشید رضا رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ابومنصور علیہ الرحمۃ'' سے منقول ہے کہ ''کسی مستحق سب وشتم کو گالی دینے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے۔ حالانکہ مشرکوں سے قتال کا حکم بھی دیا ہے جواباً وہ بھی قتال کریں گے۔ یہ بات کیسے صحیح ہوگئی؟ جواباً عرض ہے کہ معبودانِ باطلہ کو سب وشتم کرنا مباح ہے فرض نہیں ہے۔ اور مشرکوں سے قتال فرض ہے۔ لہٰذا نقصان کے اندیشے سے مباح کو تو چھوڑا جا سکتا ہے۔ لیکن فرض کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث بھی ہماری رائے کی تائید کر رہی ہے'' روایت یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا'' (اسراء: ١١٠) ''اور اپنی نماز میں قرأت بہت اونچی آواز میں نہ کرو اور نہ ہی بہت آہستہ آواز میں''۔ تو یہ ان دنوں نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ میں موجود تھے۔ جب آپ اونچی آواز سے

قرأت کرتے تو مشرکین مکہ قرآن کو اس کے نازل کرنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنے لگ جاتے تھے۔اسی لئے یہ حکم ہوا کہ اونچی آواز میں قرأت نہ کرو کہ مشرکین سن کر غلط بات کہیں۔اور اتنی دہیمی نہ ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن نہ سکیں۔بلکہ درمیانی آواز اختیار کرو''۔

بلکہ بات یہ تھی کہ مسلمانوں کا دین تمام اہلِ مکہ پر ظاہر ہو چکا تھا۔دعوتِ الی اللہ قائم ہو چکی تھی۔مسلمانوں کی بتوں سے نفرت و برأت سب پر عیاں تھی۔لہٰذا اس صورتِ حال میں قرآن کریم کی اونچی آواز میں تلاوت کو ترک کرنا' دعوت کی روشنی کو ماند نہیں کرسکتا تھا۔اور نہ کوئی منفی اثر ہوسکتا تھا۔مشرکوں کے روبرو دعوتِ قرآن پھیل رہی تھی۔جو شخص اسلام اور ملتِ ابراہیم علیہ السلام میں داخل ہونے کا اعلان کرتا تو اس کا نام ''صابی'' پڑ جاتا تھا یعنی یہ شخص کفار کے دین ومعبود کا منکر ہے۔دینِ اسلام کا معاملہ مخفی اور چھپا ہوا نہیں تھا۔اس مسئلے کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔وہ یہ کہ نماز میں جہری قرأت کرنا کوئی فرض تو نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔لہٰذا اس کو کسی نقصان کے اندیشے کے پیشِ نظر ترک کرنا جائز ہے۔اور اتنا ہی کافی ہے کہ مقتدیوں تک آواز پہنچ جائے۔اسی لئے حکم الٰہی بھی یہی ہے۔

ایک شبہ

اس مقام پر بعض لوگ ایک شبہ وارد کرتے ہیں کہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں پناہ دی تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں احسان فرمایا

''اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی''(الضحیٰ:٦)

''کیا (اللہ) نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہ دی؟''۔اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں کہ کفار نے مسلمانوں کو پناہ دی۔جیسے ابن الدغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مکہ میں پناہ دی۔اسی طرح مسلمانوں کو نجاشی رضی اللہ عنہ (جو کہ قبل از اسلام عیسائی تھا) نے حبشہ میں رہنے کی اجازت دی۔مقصد شبہ یہ ہے کہ ''مسلمانوں نے کیسے اپنے عقیدے ومنہج کے مخالفوں سے حمایت حاصل کرنے اور کفار کی مدد لینے پر راضی ہوگئے؟ کیا یہ عمل ملتِ ابراہیم میں مشرکوں سے برأت جیسے عقیدے کے منافی نہیں ہے؟

جواب

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے گزارش ہے کہ مذکور مثالیں ملتِ ابراہیم کی مخالفت نہیں کرتیں کیونکہ ملتِ ابراہیمی اور دعوتِ انبیاء کرام علیہم السلام دو اقسام کی تھی۔

(اول) معبودانِ باطلہ سے برأت اور اللہ کے علاوہ پوجے جانے والے طاغوت کا انکار۔

(ثانی) اپنے باطل عقیدے پر اصرار کرنے والے مشرکوں سے عداوت رکھنا۔

ہم نے گزشتہ صفحات پر تحریر کیا تھا کہ کسی بھی مسلمان کے لئے پہلا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ مشرکوں اور ان کے جھوٹے معبودوں سے اظہار برأت کرے مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے اصل دعوت کا اعلان کرے تاکہ لوگ اس توحید کو اچھی طرح جان لیں۔اور ہر دین میں داخل ہونے والے پر یہ توحید واضح ہوجائے۔مسئلہ ثانی یہ تھا کہ مشرکوں سے اعلانِ عداوت کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کوئی حد درجہ حق اور اہلِ حق کا دشمن ہوجائے۔لیکن ابوطالب باوجود کافر ہونے کے' اسلام اور مسلمانوں کا اعلانیہ دشمن نہ تھا بلکہ ابوطالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور پشتبانی کرتا تھا۔جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ وہ آپ کی مدد کرتا فائدہ پہنچاتا اور لوگوں سے آپ کے حق میں لڑتا جھگڑتا ہے۔اگرچہ یہ تعلق صرف خاندانی اور نسبی روابط کی بنا پر تھا۔حالانکہ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اضواء البیان جلد ثالث (صفحہ ۴۱، ۴۳، ۴۰۶، ۴۰۷ پر لکھا ہے''اگر کوئی کافر و فاسق شخص اپنے خاندانی روابط کی وجہ سے دین کی تائید کرتا ہو تو اس کے بارے میں ہدایت پا جانے اور اتباع حق کی امید روشن ہوجاتی ہے۔بلکہ وہ جب تک مسلمانوں کی صف میں رہتا ہے اور دفاع کرتا ہے تو اس کی ہدایت کی امید تو اور بھی ضروری ہوجاتی ہے۔جب کہ وہ شخص قرابت دار بھی ہو تو یہ سونے پر سہاگہ ہوا۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چچا کی ہدایت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ابوطالب کے شعار سنئے۔

والله لن يصلوا اليك بجمعهم حتى أوسد في التراب دفينا

فاصدع بأمرك ما عليك أبشر بذاك وقر منه عيونا

''اللہ کی قسم تیرے دشمن تجھ تک اس وقت پہنچ نہیں سکتے جب تک مجھے مٹی میں دفن نہ کردیں اپنے دین کا اظہار کرتے رہو اس کام کو انجام دیتے رہو جو تجھ پر

لازم ہے۔اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤ اور خوش ہو جاؤ''۔

دیگر تفصیلات سے قبل ہم ایک اور اہم نکتے کی طرف آتے ہیں۔''وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے دفاع کے ساتھ دین کے قیام کے لئے کوشش کر رہے تھے نہ کہ آپ اپنی دعوت کو چھوڑ کر مداہنت اختیار کر چکے تھے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو اچھی طرح سے جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' مشرکوں کے معبودوں کے عیب بیان کرتے ہیں۔ایک دن اہلِ قریش نے ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلام سے روک دیں۔ان کے معبودوں کے عیب بیان کرنے اور ان کی امیدوں کو خراب کرنے سے رک جائیں۔ابوطالب نے اپنی سی کوشش بھی کر دیکھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مداہنت اختیار کی اور نہ ہی اپنے چچا کی خوشنودی کے لئے اپنے دین کے کسی بھی حصے سے دوری اختیار کی۔حالانکہ ابوطالب آپ کی ہر طرح سے مدد کرتے تھے۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشہور قول بھی ارشاد فرمایا''اللہ کی قسم میں اپنے دین کو چھوڑنے کی کوشش نہ کروں گا اگر چہ یہ لوگ اس سورج سے آگ کا شعلہ بھی لے کر آ جائیں۔''(طبرانی)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا سے اتنی بھی محبت نہ کرتے تھے کہ ان کے لئے اپنا اصل کام چھوڑ دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اسوۂ حسنہ اور قائد ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے لیے یہی حکم ہے کہ۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ (المجادلۃ: ۲۲)

''تم نہ دیکھو گے ایسی قوم کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتی ہے۔اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتی ہے۔اگر ان کے آباواجد بھی کیوں نہ ہوں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کے ہدایت پا جانے کی بڑی تمنا تھی مگر محبت اور چاہت کسی اور چیز کا نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی پناہ' حمایت 'اور دفاع کے باوجود ان کی وفات کے وقت ان پر دعاء مغفرت نہ پڑھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے لئے استغفار سے بھی منع فرما دیا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (التوبۃ: ۱۱۳)

''نبی اور مومنوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگیں''۔

اسی لیے جب سیدنا علی رضی اللہ نے آ کر خبر دی کہ آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''جاؤ اس کو دفن کر آؤ''۔(رواہ احمد' نسائی)۔اسی قسم کا شبہ قوم شعیب علیہ السلام کے بارے میں کیا جاتا ہے جو کافروں کو شعیب علیہ السلام کی دشمنی سے باز رکھتے تھے کفار کے قول کی خبر اللہ تعالیٰ نے بھی دی ہے''وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ''(ھود: ۹۱) اگر تیرا خاندان حمایت نہ کرتا تو ہم تجھے پتھروں سے رجم کر دیتے۔یعنی اگر تیرا خاندان رکاوٹ نہ بنتا تو ہم تجھ سے دشمنی کی ہر حد پھلانگ جاتے۔شعیب علیہ السلام کا خاندان کافر تھا۔اسی طرح صالح علیہ السلام کے خاندانی افراد غیر مسلم تھے مگر آپ کی حمایت کرتے تھے۔جیسا کہ آیت میں ہے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (النمل: ۴۹)

''(کفار نے) آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح (علیہ السلام) اور اس گھر والوں پر حملہ کر دیں گے۔اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے ہم بالکل سچے ہیں۔''

ایک دوسرا اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس دور میں مسلمانوں اور کفار میں واضح فرق ہو چکا تھا اس بات کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی کافر مسلمان کو پناہ دے یا مدد کرے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن شرط ہے کہ کوئی مسلمان کافر کے سامنے اپنے آپ کو کم تر نہ سمجھے۔اس سے دوستی نہ لگائے اور کافر بذاتِ خود اپنے تعلق اور خاندانی واسطے کی بنا پر یہ کام کرتا ہے تو ٹھیک ہے۔اس کا دونوں حالتوں میں واضح فرق ہے۔ایک طرف کافر خود پناہ دے رہا ہے۔اور دوسری طرف کوئی مسلمان اپنی ذلت وتوہین' اور بزدلی کا اظہار کرتے ہوئے کفار کے باطل ہونے پر خاموشی اختیار کرے یا اس کے شرک پر راضی ہو جائے۔اس فرق کو کوئی بھی صاحبِ بصیرت شخص معلوم کر سکتا ہے۔اعتراض میں پیشکردہ مثالیں کفار کے بذاتِ خود پناہ دینے کے متعلق تھیں۔

ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (مشکل الآثار ۲۴۴/۳) میں اس مسئلے پر لطیف کلام فرمایا ہے۔انہوں نے جنگ کے موقع پر مشرکوں سے مدد طلب کرنے پر بحث کی ہے۔وہ کہتے ہیں ایک طرف اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے دوستی پر منع فرمایا ہے فرمان الٰہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (آل عمران:118)

''اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا کسی کو نہ بناؤ (تم) نہیں دیکھتے کہ یہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے''۔

لیکن مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کے موقع پر کفار مسلمانوں کی مدد کریں تو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے ابن الدغنہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پناہ دینا بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ایک اور مسئلہ جو اسی موضوع کے متعلق ہے اس کی بھی وضاحت ہوجائے تو بہتر ہے۔وہ یہ کہ مشرک والدین سے صلۂ رحمی کرنے،اوران سے نیک سلوک کرنے کا حکم بھی اسلام نے دیا ہے۔والدین کا اپنی اولاد سے متاثر ہوکر حق قبول کرنے کی امید اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اولاد ماں باپ کے ساتھ رہے۔حتی کہ والدین اپنے بیٹے کو مشرک بنانے میں لگے رہیں تب بھی نیک سلوک کرنا چاہیئے۔لیکن جب والدین صفِ دشمنان میں شامل ہوکر اللہ کے راستے سے روکنے والے بن جائیں پھر حسنِ سلوک کے مستحق نہیں ہیں۔جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین پر واضح کردیا تھا کہ وہ اللہ کے لئے اس کا دشمن بن چکا ہے۔اسی طرح والدین سے اعلانیہ برأت کرنی چاہیئے۔اوراگر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح جنگ کرنی پڑے تو خود کو جنگ کے لئے تیار بھی رکھنا چاہیئے پہلے پہل سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے والد کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کرتے ہوئے اچھے طریقے سے دعوت دیا کرتے تھے۔آپ علیہ السلام اپنے والد کی ہدایت کے خواہشمند تھے۔اور شیطان کے دوستوں پر عذاب الٰہی سے خوف زدہ بھی تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے لئے والد کی دشمنی واضح ہوگئی تو پھر آپ علیہ السلام نے اظہارِ برأت کردیا۔سورہ ممتحنہ میں ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا ذکر ہوا ہے اور مسلمانوں کو ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبة:114)

''جب (ابراہیم علیہ السلام) پر واضح ہوگیا کہ اس کا (والد) اللہ کا دشمن ہے تو اس نے (والد) سے برأت اختیار کی،بے شک ابراہیم بڑے آہ وزاری کرنے والے اور بردبار تھے''۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت:46)

''ظالموں کے علاوہ اہل کتاب سے بحث ومباحثہ نہ کرومگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو''۔

باقی رہا مسئلہ نجاشی کا مسلمانوں کو امان دینے کا تو اس واقعے میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے اظہارِ دین اور عیسائیوں کے درمیان موجود ہوکر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے صحیح مؤقف کو بیان کرنے پر بھی غور کرنا چاہیئے۔اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مسلمان اس وقت نجاشی کی پناہ میں تھے اور ان کو اپنی کمزوری کا علم بھی تھا۔نجاشی نے جب کلام الٰہی کی تلاوت سنی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔اس نے آیات کی اعلانیہ تائید بھی کی اور مسلمانوں کو امان دینے کا اعلان کیا۔اس وقت مسلمانوں نے اپنے دین کو ہر ایک پر ظاہر کیا۔نجاشی اور اہل حبشہ کے اسلام لانے میں اللہ کی توفیق کے ساتھ ساتھ اظہارِ دین کا سبب بھی تھا۔مزید شبہے کی تردید کے لئے رجوع کریں ''رسالہ المورد العذب الزلال'' شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ (الدرر السنية جزء مختصرات الردود ص ۱۲۴،۱۹۷،۲۱۲)

خلاصۂ کلام!

یقیناً اہل باطل سے دشمنی اور ان کے معبودانِ باطلہ،خودساختہ ادیان،اور جعلی قوانین سے برأت ودوری اختیار کرنا۔انبیاء کی دعوت کی بنیاد اور اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔دینِ اسلام کی اصل اور قانون کا دارومدار اسی محکم قانون پر ہے اگر تمام زمین والے مل کر بھی اس شرعی قانون کو مٹانا چاہیں تو بھی ختم نہیں کرسکتے۔اس قانون کے مخالفین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس سے وہ درست استدلال کرسکتے ہوں۔بعض لوگ عام مثالیں پیش کرتے ہیں۔جو جمہور اصولی ماہرین کے نزدیک عمومی حکم پر مبنی ہیں اور بعض مثالیں کسی خاص واقعات کی نشان دہی کرتی ہیں۔یہ بات تو واضح ہوچکی ہے کہ اسلامی شریعت میں اظہارِ برأت کا قانون محکم ومضبوط ہے۔بعض

جزوی دلائل جب ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم ایک محکم اساس کی طرف رجوع کریں۔اور کتاب وسنت کے دلائل کو ایک دوسرے سے ٹکرانے کی بے سود کوشش نہ کریں۔شکوک وشبہات پھیلانے والوں کے جال میں پھنس کو دھوکہ نہ کھایئے۔بلکہ خبردار رہئے۔

دعوت کے لئے ضروری بات

اصحابِ دعوت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم سے ایک حد تک فاصلے پر رہیں جب فاصلہ مکمل ہوگا تو اس وقت اولیاء اللہ کے لیے مدد اور اللہ کے دشمنی کی ہلاکت کا وعدہ پورا ہوگا دعوتِ الی اللہ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں فاصلہ اسی وقت کیا جب وہ عقیدے کی بنا پر ایک دوسرے سے دور ہوگئے۔اور اولیاء اللہ نے ایک اللہ کی عبادت کو اختیار کیا۔اصحابِ دعوت کے لئے لائق ترین بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور کسی بھی طاغوت کا سامنا کرتے وقت اللہ وحدہٗ لاشریک پر بھروسہ کریں۔چھوٹے موٹے نقصانات کے علاوہ طاغوت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد سے عاجز نہیں آتا اور انہیں دشمنوں کے سامنے بے بس ولاچار نہیں چھوڑتا وہ تو اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔مسلمانوں کی صفوں میں اچھے اور برے کو پرکھنے کے لئے ابتلائیں لکھی جاتی ہیں انجام کار غلبہ مؤمنوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔اور فتح ونصرت کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔(ظلال القرآن)

اس راہ پر چلنے والوں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(قسم اول) ایک شخص جو ملتِ ابراہیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کے دین پر عمل کرنے والا ہوتا ہے اس راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوتا ایسا شخص طائفہ منصورہ سے تعلق رکھنے والا ہوتا ہے جو ہمیشہ غالب رہتا ہے ایسا شخص لوگوں سے میل جول رکھتے ہوئے ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ایسا شخص دونوں جہانوں میں سرفرازی وکامرانی حاصل کرتا ہے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حٰمٓ السجدة : ۳۳)

''اس شخص سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے۔اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں''۔

اسی طرح ایک حدیث میں قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

((المؤمن الذي يخالط الناس ويصبر على أذاهم خير))

''وہ مومن بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول اختیار کر کے ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے''۔

چونکہ یہ شخص انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو پیش کرتا ہے لہٰذا اس کو بھی انبیاء کرام علیہم السلام جیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہ نہ تو بزدلی اختیار کرتا ہے اور نہ ہی اہلِ باطل کی طرف مائل ہوتا ہے۔بلکہ اظہارِ برأت کرتے ہوئے دشمنی اختیار کرتا ہے۔ہر ایسی ملازمت' عہدوں اور کاموں کو چھوڑ دیتا ہے جس سے باطل کی مدد ہوتی ہو۔ایسا شخص اگر اہلِ باطل کے ملکوں اور شہروں میں رہتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے ہجرت ضروری ہوتی ہے۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''تحقیق تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں اسوۂ حسنہ ہے''(ممتحنہ:۴) یعنی ایسا شخص اہلِ توحید کے دشمنوں سے اظہار برأت کرتا ہے۔جو شخص اپنے علم وعمل سے اپنے شہر والوں پر حجت قائم کرے تو اس پر حجت لازم نہیں ہے۔چاہے وہ کسی شہر میں رہتا ہو۔اور جو شخص اظہارِ توحید کو چھوڑ کر صرف نماز' روزے' حج پر عمل کر کے ہجرت ساقط ہونے کا گمان کرے تو وہ شخص دین اور تمام انبیاء علیہم السلام کی رسالت سے لاعلم وبے خبر ہے۔(الدرر السنية جزء الجهاد:۱۹۹)

مذکورہ قسم اول جیسے لوگوں کے اظہارِ حق کی وجہ سے قتل وسزا کی دھمکیاں دی جائیں اور ان کو ہجرت کرنے کی مہلت نہ ملے تو وہ اہل کہف کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کریں اصحاب کہف اپنے دین کو بچا کر پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔اصحابِ اخدود بھی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں جنہیں عقیدے پر عمل کے جرم اور توحید کے اظہار کی وجہ سے نذرِ آتش کر دیا گیا۔لیکن انہوں نے بزدلی اور کمزوری اختیار نہیں کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسوۂ حسنہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی' جہاد کیا' شہید ہوئے لیکن راہِ توحید کو نہ چھوڑا کسی نے شاعر نے کہا ہے۔

ترجمہ:''وہ لوگ پہاڑوں کی مانند جمے ہوئے تھے انہوں نے اپنے ماننے والوں کو لے کر کمزوری اختیار نہیں کی وہ لوگ تو روشن چاند اور ستارے تھے وہ اپنے

اہل کے لئے اندھیرے نہ تھے‘‘۔

(قسم ثانی) پہلی قسم سے ذرا کم درجے کے لوگ مراد ہیں جو اس پرخطر تکلیف دہ راہِ توحید پر چلنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔اپنے دین کا اظہار نہیں کر پاتے۔انہیں چاہئے کہ وہ اپنی چند بکریاں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں میں چلے جائیں۔اللہ کی عبادت کریں اور فتنوں سے اپنے دین کو بچائیں۔

(قسم ثالث) ایسا کمزور شخص جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے رکھتا ہے۔اپنے آپ کو خاص طور پر مشرک اور مشرکوں سے دور رکھتا ہے۔تا کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ایسا شخص کفار سے اجتناب کرتا اور اعراض کرتا ہے۔ان کے باطل عقائد سے راضی نہیں ہوتا ان کی تائید نہیں کرتا۔اس شخص کو اگر اپنی توحید سلامت رکھنی ہے تو مشرکوں سے مطمئن دل کے ساتھ بغض وعداوت رکھے۔اور کمزوری کے ختم ہونے کا منتظر رہے۔اپنے دین کو لے کر ہجرت کرنے کا موقع تلاش کرتا رہے۔تا کہ کسی ایسے شہر میں رہے جس میں شر وفساد کم سے کم ہو۔جیسا کہ مہاجرین حبشہ نے ہجرت کی تھی۔

(قسم رابع) آخری قسم کا ایسا شخص جو اہل باطل سے راضی رہتا ہے۔ان کی گمراہی کی مخالفت سے بزدلی کرتا ہے۔ایسے شخص کے بارے میں شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ نے تین حالات ذکر کئے ہیں۔(رسالہ سبیل الفکاک:۶۲)

پہلی حالت: اہل باطل سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے موافقت کرنا ایسا شخص کافر خارج از اسلام ہے مجبور ہو یا خود مختار دونوں حالتوں میں وہ کافر ہوگا ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل:۱۰۶)

’’مگر جو کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے‘‘۔

دوسری حالت: ظاہری طور پر تو مخالفت کرتا ہے مگر باطنی طور پر اہلِ باطل کی حمایت کرے۔یہ لوگ بھی کافر ہیں۔منافقین کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

تیسری حالت: باطنی طور پر تو مخالفت کرے مگر ظاہراً اہلِ باطل کی موافقت کرے۔اس قسم کے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں:

❶ جو ظاہری حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ حکومت کی طرف سے قید کئے جانے یا قتل کئے جانے سے ڈرتے ہیں۔دلی طور سے ایمان پر مطمئن ہونے کی وجہ سے مجبوراً ظاہری حمایت جائز ہے۔جیسا کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا ہے۔

اس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (النحل : ۱۰۶)

’’مگر وہ لوگ جو مجبور ہیں مگر ان کے دل ایمان پر مطمئن ہیں‘‘۔

میں ایسے لوگوں کے متعلق کہتا ہوں ان کو ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح دعائیں مانگنی چاہئیں۔

جیسا کہ یہ دعا ہے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:۷۵)

’’اے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے۔اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے۔اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار رہنا‘‘۔

❷ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو لوگ ظاہری طور پر تو اہل باطل کی موافقت کرتے ہیں اور باطنی طور پر انہیں ناپسند کرتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یہ لوگ بغیر کسی مجبوری کے، حکومت و دولت کے لالچ اور اپنے وطن اور اہل وعیال کے چھوٹ جانے کی وجہ سے ایسا عمل کرتے ہیں ان کو ہر دم اپنے مال و دولت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے ایسے لوگ اس حالت میں مرتد ہوں گے باطنی نفرت ان کو کچھ فائدہ نہ دے گی اس لیے کہ ان کے بارے میں حکم الٰہی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (النحل:۱۰۷)

''یہ (حکم) اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لاتا''۔

اس آیت میں خبر دی گئی کہ یہ لوگ کفر نہیں کرتے اور ان کو باطل سے محبت اور جہالت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ انہوں نے دنیا کے حصول کے لئے دنیا کو دین پر ترجیح دی ہے۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے ''مجموعۃ رسائل نجدیہ:۴۲'' میں شیخ الاسلام نے لکھا ہے ''جان لو کہ کوئی مسلم جب شرک کرے یا شرک نہ کرے مگر موحدین کے مقابلے میں مشرکین کا ساتھ دے تو اس کے کافر ہونے کے بے شمار دلائل ہیں اس کے متعلق آیات، احادیث، اور علماء نے بہت کلام کیا ہے میں ایک آیت کو ذکر کرتا ہوں جس کے متعلق تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے بارے میں ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل : ۱۰۶)

''جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے تو وہ (کافر ہوگا) سوائے اس شخص کے جو مجبور کر دیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو''۔

اس آیت میں خبر دی جارہی ہے کہ بغیر مجبوری کے دنیا کی محبت میں کوئی مسلمان کفر کرے تو وہ کافر ہوگا۔ علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ایک صحابی (سیدنا عمار رضی اللہ عنہ) کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے بحالت مجبوری کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کیا تھا (لیکن خوف کی وجہ سے ادا کردہ کفر پر کوئی حرج نہیں تھا۔ اگر بغیر کسی خوف اور مجبوری کے کلمہ کفر ادا کرتے تو کافر ہوتے۔ مترجم)

مذکورہ بالا بحث' شیخ ابن عتیق رحمہ اللہ اور شیخ سلیمان رحمہ اللہ کی درج ذیل مباحث سے مطابقت رکھتی ہے ''یقینی طور پر جان لو کہ اگر یہ ہمارا کلام ہوتا اور بڑے جلیل القدر ائمہ کا کلام نہ ہوتا تو کہا جاتا یہ بات کرنے والا کافر اور خارجی ہے'' حالانکہ آیات بہت واضح ہیں۔ یہ مسئلہ' بحالت مجبوری کلمہ کفر ادا کرنے والے معذور شخص کے متعلق نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ ہم یہاں ایسے لوگوں کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جو مجبور نہیں ہیں۔ ان کو کوئی عذاب' تکلیف' نہیں ہوتی۔ یہ مشرکین کی محبت اور موافقت صرف دنیا کے لالچ میں کرتے ہیں۔ انہیں مال و دولت چھن جانے اور گھر بار ختم ہو جانے کا خوف ہوتا ہے۔ یہی چیز تو آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح اور توحید کو بیچ کر دنیاوی مال کا حصول ہے۔ کبھی کبھار یہ لوگ اپنے آپ کو ضرورت مند اور مجبوروں کے بھیس میں پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقی مجبور نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللهِ الْمَصِيْرُ ○ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللهُ (آل عمران:۲۸،۲۹)

''اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کہہ دیجئے کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ' خواہ ظاہر کرو 'اللہ سب جانتا ہے''۔

اس کے بعد والی آیت میں فرمانِ الٰہی ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ (آل عمران: ۳۰)

''جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا۔ آرزو کرے گا کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت دوری ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے''۔

جو شخص کتاب اللہ پر غور و فکر کرے گا اس کے لئے یہ سب سے بڑی وعید ہے لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ فتنوں میں مبتلا کر دے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا وہ ہدایت نہیں پا سکتا اکثر لوگ اپنی ایسی مجبوریوں کو بطور عذر پیش کرتے ہیں جو حقیقی نہیں ہوتیں۔

مجبوری سے کیا مراد ہے؟

علماء کرام نے بعض شرائط بیان کی ہیں جن کی بنا پر مجبوری کے عمل کو درست کہا جائے گا۔

1. مجبور کرنے والا جب اپنی دھمکی پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور مجبور ہونے والا شخص فرار ہونے یا دفاع کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی مجبوری درست ہوگی۔

❷ مجبور ہونے والے کو یقین ہو کہ اگر میں نے اظہار کفر سے انکار کیا تو دھمکی دینے والا اپنی دھمکی پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

❸ یا مجبور ہونے والے شخص کو فوری طور پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ اگر کوئی کہے کہ اظہارِ کفر کرو۔ وگرنہ میں کل تمہیں مار دوں گا۔ تو ایسی دھمکی کو مجبوری نہیں سمجھا جائے گا

۔

❹ مجبور ہونے والا شخص صرف اپنی مصیبت سے چھٹکارے کے لئے کوئی کام کر دے۔ یا ایسا فعل اختیار کرے جو شرک یا کفر پر دلالت کرتا ہو۔ بعض لوگوں کو گناہ اور معصیت پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں کلمۂ کفر کہنے یا کفار کی دوستی پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم پر عمل کرنا صرف اس وقت جائز ہوتا ہے جب مجبور کئے جانے والے پر اس کی طاقت سے بڑھ کر عذاب دیا جائے۔ علماء کرام نے اس عذاب کی تفصیل میں قتل' جلائے جانے' اعضائے انسانی کو کاٹنے' اور قید کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آیات (النحل ۱۰۶) نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے کلمہ کفر اس وقت مجبور ہو کر ادا کیا' جب انہیں مختلف سزائیں دے کر والدین کی قتل گاہ دکھائی گئی ان کی پسلیاں توڑ دی گئی تھیں۔ موجودہ دور کے جھوٹے عذر پیش کرنے والے لوگ جو شرک و باطل میں غرق ہو چکے ہیں۔ انہیں تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی سزاؤں کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا لیکن بات وہی ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہی نے فتنوں میں مبتلا کر دیا ہو وہ ہدایت نہیں پا سکتا۔

اس مسئلے میں علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجبوراً کلمہ کفر ادا کرنے کے بجائے تکالیف و مصیبتوں پر صبر و عزیمت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور اجر و ثواب کا مستحق ہو گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے واقعات احوال' اور نظریات اس بات کی گواہی دیتے ہیں صحیح بخاری میں (باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر) دیکھئے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے واقعات پر بھی غور کیجئے۔

فرمان الٰہی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ (العنکبوت: ۱۰)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل ان پر پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں''۔

اس کے ساتھ ساتھ علماء نے ذکر کیا کہ کفار دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دیں تو اس بات کو مجبوری نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم نے کفر کی طرف لوٹنے یا بستی سے نکل جانے کا اختیار دیا تھا۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اختیار مل جانے کی حالت میں اظہارِ کفر کیا جائے۔ ہم اس قدر تفصیل سے اس لئے بیان کر رہے ہیں تاکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل و توحید کی نعمت بخشی ہو۔ وہ ان مسائل کو جان لے کیونکہ اس پرفتن دور میں دین کی معرفت رکھنے والے داعی کم ہی ملتے ہیں لوگوں کی اکثریت حکومتوں، طاغوتی میں شامل ہو چکی ہے انہوں نے یہ دین بغیر مجبوری کے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے دنیا کی زندگی' مال و متاع اور عہدوں کی خاطر دین الٰہی کو چھوڑ دیا ہے بلکہ انہوں نے گھٹیا ترین قیمتوں میں دین کو بیچ ڈالا ہے۔ ان لوگوں میں داخل ہونے سے بچو' تاکہ کل ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ مذکورہ بالا تفصیلی مباحث میں جن لوگوں کو شیخ ابن عتیق رحمہ اللہ کے کلام پر تعجب ہوا ہو۔ یا انہیں یہ کلام گراں گزرا ہو۔ اس تفصیل سے یہ تعجب زائل ہو چکا ہو گا۔ شیخ رحمہ اللہ نے کہا تھا۔ ''جو مشرکوں سے باطنی مخالفت کے ساتھ ظاہراً موافقت کرتا ہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اس نے یہ عمل محبتِ دنیا میں کیا ہے۔ نہ کہ کسی مجبوری کے پیش نظر ''ان کے قول سے مراد یہ ہے کہ ہم کیسے حقیقتِ حال سے واقف ہو سکتے ہیں کہ اس کے باطن میں کیا ہے؟ ہم تو ظاہر دیکھیں گے' باطن سے روشناس ہونے کا راستہ صرف وحی الٰہی ہے۔ (جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ان کی باطنی حالت وحی کے ذریعے معلوم ہوئی تھی)

ہم لوگوں کے باطن کے پابند نہیں ہیں۔ ہم تو صرف ظاہری حالتوں پر حکم لگانے کے پابند ہیں۔ جیسا کہ ہم ظاہری طور پر شعائرِ اسلام ادا کرنے والے منافقوں سے قتال نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہم کفار سے ظاہری دوستی لگانے والے اور ان کی طرف مائل ہونے والے پر حکم لگائیں گے اگرچہ وہ شخص اپنے آپ کو باطنی مسلمان سمجھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں ظاہری احکام کا پابند کیا ہے کائنات میں اللہ ہی ہے جو پوشیدہ رازوں کو جاننا اور جھوٹے سچے کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے عملوں اور ان کی نیتوں کے مطابق ان سے حساب و کتاب کرے گا جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ ''ایک لشکر کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا۔ اس لشکر میں مجبور اور جان بوجھ کر آنے والے دونوں قسم کے لوگ ہوں گے۔ اللہ سب کو ہلاک کر دے گا پھر قیامت کے دن ان کی نیتوں کے مطابق ان سے حساب کتاب ہو گا''۔ صحیح

بخاری میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''ہم عہد رسالت میں وحی الٰہی کے مطابق کام کرتے تھے۔ وحی سے جس کی بھلائی معلوم ہوتی ہم اس پر عمل کرتے تھے۔ ہمارے راز سب اللہ تعالیٰ پر عیاں تھے۔ ہم کسی کی پوشیدہ حالت کی تلاش نہ کرتے تھے۔ اور جس شخص کے بارے میں وحی سے معلوم ہوتا کہ برا ہے تو ہم اس کو اچھا نہ سمجھتے تھے اگر چہ اس کی ظاہری زندگی اچھی ہو''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح جنگوں اور دیگر مواقع پر لوگوں سے برتاؤ کرتے تھے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ لیکن مکہ میں جو دارِ کفر ہے رہائش پذیر تھے۔ آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کی تھی۔ یومِ بدر آپ مشرکوں کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں نے آپ کو قیدی بنالیا۔ اور ان کی ظاہری حالت کے مطابق ان سے معاملہ کیا۔ ان کے اسلام لانے کے دعوؤں کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ آپ مشرکوں کی صفوں میں شامل ہو کر جنگ کے لئے نکلے تھے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۸۸، ۸۹، ۹۱/ ۶)

بعض روایتوں میں ذکر ہے کہ آپ مجبور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اللہ تمہارے دعوے کو خوب جانتا ہے۔ وہی جزا دینے والا ہے۔ مگر ہم تیری ظاہری حالت کے مطابق تجھ سے فدیہ لے کر تجھے آزاد کریں گے''۔ (رواہ احمد)

اس روایت کے علاوہ صحیح بخاری سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی ظاہری حالت جیسا سلوک کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کے حلیفوں کے ایک قیدی شخص کو اس کے اسلام قبول کرنے کے دعوے کے باوجود آزاد نہ کیا تھا۔

(رواہ مسلم)

یہ جان لیجئے کہ ہم معاملاتِ دنیا میں ظاہر کے مکلّف ہیں باطن کے پابند نہیں ہیں اس بات میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ وگرنہ اسلام اور مسلمان، ہر خبیث وزندیق کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاتا سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعے اور ان کے فتح مکہ کے طرزِ عمل کو بھی ظاہری معنوں میں لیا جائے گا (اگر چہ مسلمانوں کو بعد میں وحی الٰہی سے ان کے مؤمن ہونے کی خبر مل گئی تھی۔ از مترجم) حقیقت یہی ہے کہ جو ظاہری طور پر کفریہ عمل کرتا ہے تو اس پر ایسے احکامات لاگو کیے جاسکتے ہیں جو کسی کافر پر لاگو کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مرتدوں کو قتل یا قید کیا جاتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مرتدوں کے بارے میں دلائل دیکھے جاسکتے ہیں۔ بعض مرتدین مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کی گواہی دینے والے تھے ان کے ساتھ بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ظاہری حالت کے پیش نظر جہاد کیا تھا۔ انہیں قتل ومقید کرنے کی سزا سنائی تھی۔

مرتدوں کے خلاف جہاد کرنا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں گراں قدر اضافہ تھا۔ ان واقعات سے ہمارا نقطہ نظر درست ثابت ہوتا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے چھ رسائل میں اس مسئلے پر خوب بحث کی ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصے سے جو سمجھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیان دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا رد نہیں کیا اور یہ حکم نہیں دیا کہ ''جو کسی بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے''۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو برقرار رکھا اور صرف حاطب رضی اللہ عنہ کی صفائی پیش کی۔ اسکے علاوہ کوئی اور شخص یہی کام کرتا ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق کافر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر تمہیں کیا معلوم! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو بخش دیا ہے''۔ اور خود سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ کام کفر یا ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا ہے (تفصیلی واقعہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ میں دیکھیں) بعض روایات کے مطابق ''میں نے یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت یا نفاق میں نہیں کیا تھا''۔ (صحیح بخاری)

صحابی کا استثناء خود وحی کے ذریعے ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے دلی مؤمن ہونے اور بدری صحابی ہونے کی وجہ سے بخشش پا جانے کی گواہی دی تھی۔ کیا آج کل کے کفار سے دوستی لگانے والے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے قصے کو بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں؟ ہم یہ سوال اسی وقت پوچھ سکتے ہیں جب ہمیں ان کے باطنی طور پر سچا ہونے کا علم ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے یہ کفر وارتداد کے لئے نہیں کیا ہے ہم سلسلۂ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد ان کے پوشیدہ فعل اور باطنی حالتوں کی سچائی کا علم کیسے حاصل کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہے جو ان کے متعلق گواہی دے ان کی صفائی پیش کرے۔ ہم انقطاع وحی کے بعد باطنی حالتوں کے پابند نہیں ہیں۔ اس لیے جو شخص کفار سے دوستی کرے گا ہم اس کی ظاہر حالت پر حکم لگائیں گے۔ اگر وہ سچا ہوگا تو اللہ اس کے متعلق بہتر جانتا ہے اور اگر ان کافروں کی کسی صف میں مارا بھی جائے گا تو اس کی نیت کے مطابق اللہ اس کا حساب کرے گا لیکن چونکہ اس کا اسلام پوشیدہ تھا لہٰذا اس پر کافروں

والے حکم لگائے جائیں گے مسلمان اس کے قتل پر معذور ہوں گے۔ اگر چہ وہ قتل ہونے والا دعویٰ کرے کہ وہ باطنی طور پر مسلمانوں میں سے ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے متعلق (مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۵۳۷) علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے (زادالمعاد: ۳/۴۲۲) تفصیلی مباحث لکھے ہیں۔ ان کتابوں میں مذکور مقامات اور سورۃ نساء کی آیت ۹۷ پر غور وفکر کیجئے۔ اپنی آنکھوں سے نیند کے گردوغبار کو جھاڑ کر' جاگ جایئے۔ اپنے آپ کو مقلدین میں شامل نہ کیجئے۔

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا خط کیا تھا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۷/۵۲۱) میں سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے مشرکوں کو لکھے ہوئے خط کو نقل کیا ہے۔

((أمابعد! قد جاء كم بجيش كلليل يسير كالسيل فوالله يا معشرالقريش فان رسول الله صلى الله عليه وسلم لو جاء كم وحده لنصره الله وأنجز له وعده فانظروا لانفسكم والسلام.))

''امابعد! اے قریش کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریک راتوں جیسا لشکر لے کر آرہے ہیں۔ وہ طوفان کی مانند بڑھتا چلا جائے گا اللہ کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنِ تنہا بھی فتح مکہ کے لئے آتے تو بھی اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوتا اپنے آپ کو بچالو''

میں کہتا ہوں اگر کوئی عقلمند اس خط کو پڑھے تو معلوم ہوگا سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ اللہ کی مدد پر کتنا یقین رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں چند عظیم آیات نازل فرمائی ہیں جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُم اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَ كُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِيْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (الممتحنة: ۱)

''اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو۔ اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے۔ کفر کرتے ہیں۔ پیغمبر کو اور خود تمہیں محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستی نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو۔ اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک جائے گا''۔

دیکھئے ان آیات میں کس سخت پیرائے میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو کفار کی محبت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد موجودہ دور کے اسلام کے نام لیواؤں پر نظر ڈالئے۔ یہ لوگ کفریہ قانون کی بندگی' مدد اور محبت میں تمام حدیں پھلانگ چکے ہیں۔ یہ لوگ توحید وشریعت کے دشمن' یہود ونصاریٰ کے شکنجے میں پھنس چکے ہیں۔ ان کی حالت سے دین کی غربت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تم اپنے آپ کو اس حالت میں پہنچنے سے بچاؤ۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''آج کل اکثر لوگوں نے بہت سے عذر بنا رکھے ہیں۔ جن کا اعتقاد رکھتے ہیں دراصل یہ عذر شیطان ان کو بنا کر اور مزین کر کے پیش کرتا ہے شیطان اپنے دوستوں سے ان کو ڈراتا ہے جو اس کے وسوسے میں آتے ہیں اس خوف کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مگر وہ شخص اس وجہ سے مشرکوں کے ساتھ موافقت اطاعت کو جائز سمجھنے لگتا ہے۔ شیخ ابن عتیق رحمہ اللہ' امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کر کے (جو تفصیل سے آگے آئے گا) لکھتے ہیں ''مسلمانوں کی اس صورتحال کو دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے کہ ''اسلام اپنی ابتداء میں غریب تھا۔ اور دوبارہ یہ غریب واجنبی ہوجائے گا'' رسالۃ حکم موالات اہل الاشراک میں شیخ سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ لکھتے ہیں ''کوئی بھی شخص جب مشرکوں سے ڈر کر ان کی موافقت اختیار کرتا ہے۔ ان کی خاطر مدارات میں لگا رہتا ہے۔ تو وہ بھی ان کافروں جیسا ہی ہے۔ اگر چہ وہ کفار کے دین کو ناپسند اور مسلمانوں کے دین کو پسند کرتا ہو''۔

شیخ سلیمان رحمہ اللہ مشرکوں کی مال ودولت سے مدد کرنے اور مسلمانوں سے تعلق توڑنے جیسے قبیح افعال کو ذکر کر کے لکھتے ہیں ''کوئی مجبور شخص ہی اس حکم سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ مشرکین کسی شخص پر غلبہ پا کر کہیں ''تم کفر کرو۔ یا یہ کام کرو۔ وگرنہ ہم تمہیں قتل کردیں گے۔ اس حالت میں دل کو ایمان پر مطمئن رکھتے ہوئے زبانی طور پر کفار سے موافقت جائز ہے' اس کے علاوہ اگر کوئی از راہِ مذاق کلمہ کفر منہ سے ادا کرے تو علماء کے اجماع کے مطابق وہ کافر ہے اور جو شخص دنیا کے لالچ میں کفر کرے؟ ا

س کا کیا حال ہوگا ؟ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں اس موضوع پر شیخ سلیمان رحمہ اللہ نے بیس دلائل ذکر کئے ہیں حتیٰ کہ آپ رحمہ اللہ کی کتاب کا نام ہی (الدلائل) پڑ گیا ہے اصحابِ دعوت کو ایسے دلائل پر غور وفکر کرنا چاہئے اور وہ لوگ جو کفریہ قوانین کی بندگی کرتے اور طاغوتی حکومتوں لشکروں اور قانون کی اطاعت کرتے ہیں یہ دلائل ایسے لوگوں کے لئے بڑے اہم ہیں۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ اور شیخ سلیمان رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں ''سبیل النجاۃ والفکاک'' اور ''کتاب الدلائل'' میں اپنے دور کے شرک سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ کتابیں آپ رحمہ اللہ نے اس وقت لکھیں جب مسلمانوں کی افواج میں بدعات اور شرکیات پھیل رہی تھیں۔ دیکھئے (جزء الجهاد:۳۰۹)

یہ بھی معلوم رہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اولاد میں سے اکثر شیوخ اس وقت کی مصری افواج اور ترکی افواج کو کافر سمجھتے تھے۔ اس صورتحال میں بار بار ذہن میں آتا ہے کہ ''جب بڑے بڑے ائمہ اپنے دور کی افواج کے بارے میں ایسا حکم رکھتے تھے جن کو آج کل بڑی بہترین افواج سمجھا جاتا ہے۔ تو اس دور کے کفریہ قوانین کی بندگی کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟؟؟ ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا جو اپنے مال و دولت اور گھر بار اور تنخواہوں سے محرومی کے ڈر سے کفار سے محبت اور ان کے لشکروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہوگا جو کفار کا خلوص دل سے احترام کرتے ہیں؟؟۔ اگر وہ علماء اس دور میں ہوتے تو کیا حکم لگاتے؟؟؟ فتنہ ہمارے دین کی اصل بنیاد میں ہے دین کی فروعات میں نہیں ہے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے خاندان، اہل وعیال، مال وتجارت، کو دین کی حمایت پر قربان کر دیں۔ یہ نہ کریں کہ دنیا کے لئے دین کو قربان کر دیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبة:۲۴)

''آپ کہہ دیجئے! کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے، اور تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے، اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور تجارت کی کمی؛ جس سے ڈرتے ہوئے اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ اگر تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم سے عذاب آنے کا انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آٹھوں چیزوں پر اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کی محبت کو ترجیح دی ہے لہٰذا دین کی محبت سب سے قیمتی ہونی چاہئے'' (الدرر السنية: جزء الجهاد ص ۱۲۷)

اہلِ طاغوت کا طریقہ کار

ملتِ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعوت کو کمزور کرنے، اصحاب دعوت کو قتل کرنے نقصان پہنچانے، کے لئے اہلِ طاغوت کا طریقہ کار؟؟؟

جب آپ نے ملتِ ابراہیم کو اچھی طرح جان لیا اور معلوم ہو گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کا منہج۔ کامیابی کامرانی اور دنیا وآخرت میں سعادت کا راستہ ملتِ ابراہیمی سے ہو کر گزرتا ہے۔ اسکے بعد یہ نکتہ اچھی طرح جان لیجئے کہ ہر دور کے اہلِ طاغوت کبھی بھی ملتِ ابراہیم سے راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ اس سے خوف زدہ ہی رہتے ہیں۔ ان کی ہر ممکن خواہش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ملتِ ابراہیم کی دعوت دینے والوں کو مٹا ڈالا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ زمانۂ قدیم سے اہلِ طاغوت کا یہی طریقہ کار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم: ۹)

''وہ چاہتے ہیں کہ (اے نبی) اگر تم نرمی کرو تو وہ (بھی) نرمی کریں۔''

اہلِ طاغوت کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ علماء دعوتِ انبیاء علیہم السلام کے سیدھے راستے سے ہٹ کر گمراہ ہو جائیں ان کی یہ کوشش جاری وساری رہتی ہے۔ اہلِ طاغوت کے طریقہ واردات میں سے ایک یہ کوشش بھی ہے کہ علماء باطل افعال کو دیکھ کر خاموش رہیں یہ علماء اہلِ باطل کی خاطر مدارات میں لگے رہیں اگر ہو سکے تو بعض

کاموں کا ساتھ بھی دیں۔تاکہ آہستہ آہستہ دعوتِ حق اپنی موت آپ مرجائے۔یا دعوت اتنی ڈھیلی اور کمزور ہوجائے کہ داعیوں کو راہِ راست سے گمراہ کرنا آسان ہوجائے۔اہلِ طاغوت جانتے ہیں کہ پہلا قدم اگر الٹا واپسی کو پڑ جائے تو سارا راستہ ہی قدم بقدم غلط ہوتا جائے گا۔علماء اپنے اصل منہج کو بھول جائیں گے اور انجام کار یقیناً یہ علماء اہلِ باطل سے اکثر امور میں شیر وشکر ہوجائیں گے۔اسی لئے جب طاغوتی دیکھتے ہیں کہ علماء الٹی چال چل پڑے ہیں۔یہ ان علماء سے خوش ہوتے رہتے ہیں۔ان کو اپنے قریب کر لیتے ہیں محبت اور چاہت کا اظہار کرتے ہوئے علماء کی کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ارشادِ الٰہی ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ، وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (اسراء:۷۳)

''یہ لوگ (اے نبی) آپ کو اس وحی سے جو ہم نے اتاری ہے۔بہکانا چاہتے تھے۔کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ لیں تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی و دوست بنا لیتے''۔

اس آیت کی تشریح میں سید قطب رحمہ اللہ نے پہلے مشرکوں کو ذکر کر کے لکھا ہے''مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین و دعوت سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی انہوں نے اپنے معبودوں پر تنقید ختم کرنے کے لئے ہر قسم کی سودے بازی کی' مشرکوں کی ان کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ایسی ہی کوشش طاغوتی حکومت' اصحابِ دعوت کے لئے کرتی ہے۔سلاطینِ حکومت' داعیوں کو بہلا پھسلا کر دعوت کی راہِ مستقیم سے انحراف کرنے پر مجبور کرتے ہیں اگر چہ راستے سے تھوڑا سا انحراف بھی کیا جائے۔اس سلسلے میں ہر ممکن فائدے' بے شمار مال ومتاع کا لالچ دیا جاتا ہے کچھ داعی اس معاملے کو آسان سمجھتے ہوئے اس فتنے میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔کیونکہ سلاطین' دعوت کو مکمل ترک کرنے کا نہیں کہتے۔بلکہ وہ تو صرف نرم روی' اعتدال پسندی چاہتے ہیں۔شیطان علماء پر اسی گھات سے حملہ آور ہوتا ہے اور یہ خوش کن تصور دیتا ہے کہ بہترین دعوت وہی ہوتی ہے جو صاحبِ حکومت کی طرف سے دی جائے۔اس کامیابی کے لئے تھوڑی سی لچک دکھائی جائے تو کیا حرج ہے؟ لیکن انہیں معلوم نہیں اگر راستے کی ابتداء میں تھوڑا سا ٹیڑھا پن اختیار کیا جائے تو منزل مقصود تک سارا راستہ بھی ٹیڑھا ہوجاتا ہے۔کسی نے خوب کہا ہے۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج!!

اگر اصحابِ دعوت اپنی دعوت کو تھوڑا ترک کرنا تسلیم کر لیں اور باطل کی طرف تھوڑی سی غفلت قبول کر لیں تو پھر یہ معاملہ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جائے گا کیونکہ جب الٹی چال شروع ہوجائے تو پھر ہر بات ماننے کی استعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔اہلِ حکومت درجہ بدرجہ داعیوں کو گھیرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی ثابت قدمی کمزور پڑ چکی ہے تو پھر وہ اپنی کوششیں اور سودے بازیاں تیز کر دیتے ہیں۔آخر کار یہ داعی بھی' اہلِ حکومت کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔دین کی دعوت میں حکومتوں کی امداد پر نظر رکھنے کی وجہ سے روح شکستہ ہوجاتی ہے۔کیونکہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر مؤمنوں کو اعتماد کرنا چاہئے۔لیکن جب شکستہ ذہنیت دلوں میں سرایت کر جائے تو ہزیمت کو فتح میں تبدیل کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ہم نے اکثر داعیوں کو دیکھا ہے کہ جن کو اہلِ طاغوت نے اپنا دوست بنا رکھا ہے۔اہلِ طاغوت' ان دوست داعیوں کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں دیتے۔کیونکہ باطل کاموں سے خوش رہتے ہیں یہ داعی حضرات' حکومت کی محفلوں' مجلسوں میں ایک ساتھ نظر آتے ہیں۔

اہل طاغوت کے طریقہ واردات کی چند مثالیں درج ذیل ہیں

① اس دور میں اہل طاغوت نے پارلیمنٹ، اسمبلی اور بہت سے ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ان اداروں میں داعیوں کو رکنیت دی جاتی ہے۔آپس میں میل ملاپ کے مواقع دیئے جاتے ہیں۔تاکہ ان کی اصل دعوت کو کمزور کیا جائے۔اور کوئی داعی یہ مسئلہ نہ اٹھا سکے کہ طاغوت اور ان کے قوانین ودستور سے برأت اختیار کرنی چاہئے۔اس کے برعکس یہ داعی حضرات ان سے تعاون کرتے ہیں۔ان کی خیر خواہی میں طویل بحث ومباحثے کرتے ہیں۔شہروں کا مفاد اور معیشت امن عامہ ان کا مرکز گفتگو ہوتا ہے۔حالانکہ ان ملکوں میں طاغوت اور کفریہ قوانین کی حکومت ہوتی ہے۔اس کے بارے میں چپ رہتے ہیں۔ان داعیوں کی اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اسلاف کے منہج کا پیروکار کہتے ہیں۔سید قطب رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام سے خاص نسبت رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں ذلّت کی گہرائیوں میں اس درجہ گر چکے ہوتے ہیں کہ اہلِ طاغوت کے احترام وعقیدے میں حالت قیام میں نظر آتے ہیں۔ان کو بڑے بڑے القابات سے نوازتے ہیں۔ان کی حکومت سے اپنی محبت کا اظہار بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں۔کفریہ قوانین ودستور کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔اس دعوت کے بعد کیا دعوتِ حقہ کا امکان باقی رہتا ہے؟ (نعوذ باللہ)

② اکثر اہلِ طاغوت اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ علماء کرام کو لازمی طور پر اپنی حکومتوں میں شامل کیا جائے۔تاکہ جو لوگ ان حکومتوں اور نظاموں کے مخالف

ہیں مثلاً عرب قوم پرست خلاف ان علماء سے کام لیا جائے اور علماء کو انہی کاموں میں مصروف رکھا جائے جو گمراہ کن تحریکیں اٹھ رہی ہیں اور ان کی حکومتوں کے لئے خطرہ بن رہی ہیں۔ان تحریکوں کو ناپسند کرنے والے علماء حکومت کی مجبوری بن جاتے ہیں یہ علماء اپنے اور حکومتوں کے مشترکہ دشمن کے خلاف اپنی حکومتوں کی مدد کرتے ہیں۔ان علماء کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ یہ سلاطین دین کی خدمت کرتے اور اہلِ دین کو پسند کرتے ہیں۔ان علماء کو مادی امداد دی جاتی ہے۔اور علماء کو دھوکہ دیا جاتا ہے اور اس جال میں آ کر پھنس جاتے ہیں۔اپنی عمروں کو اور زندگی کے قیمتی اوقات کو دشمن اور دشمن کی مدد میں ضائع کر دیتے ہیں۔اکثر علماء کی حالت یہ ہے کہ اپنے قریبی طاغوت کو جو حقیقی دشمن ہے بالکل فراموش کر چکے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک دن ان حکومتوں کے مخلص سپاہی بن جائیں گے۔یہ لوگ طاغوت کی حکومتوں، مال و دولت کی حفاظت میں ساری زندگی صرف کر رہے ہیں۔معلوم نہیں ان کو کچھ شعور ہے یا نہیں۔کاش وہ موسیٰ علیہ السلام کے اس قول پر غور کریں۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَهِيۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ (القصص:۱۷)

''میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر کرم فرمایا میں بھی اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ بنوں گا''۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں ''جس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی تھی وہ کافر تھا وہ اگرچہ اسرائیلی قوم سے تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کے دین پر نہیں تھا۔آپ علیہ السلام نے اسی لئے اس پر ندامت کا اظہار کیا تھا اور فرمایا'' آج کے بعد میں کافروں کا مددگار نہ بنوں گا''۔ان داعیوں کو اس آیت پر بھی غور کرنا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ يَلُوۡنَكُمۡ مِّنَ الۡكُفَّارِ وَلۡيَجِدُوۡا فِيۡكُمۡ غِلۡظَةً وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ (التوبة:۱۲۳)

''ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کے لئے تمہارے اندر سختی ہونا چاہئے۔اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے''۔

یہ قوم پرست اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ان سے عداوت اور بغض رکھنا بھی ضروری ہے۔مگر یہ ابتداء اہم ترین اور قریبی لوگوں سے، جو طاغوت ہیں۔کرنی چاہئے۔سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہی ہے کہ فساد اور فتنوں کے مقامات پر ضرب لگانی چاہئے۔اسی لئے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا اور شیطان سے ٹکراؤ پہلے ہونا چاہئے بعد میں دیگر دشمنوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے درمیان والے مشرکوں کو چھوڑ کر فارس اور روم کے یہودیوں کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔

③ ایک اور خطرناک جال ہے جس سے اکثر اہلِ طاغوت فائدہ اٹھا کر، ان بے چارے علماء کو پھنسا ہوا دیکھ کر مذاق اڑاتے ہیں۔وہ جال یہ ہے کہ علماء اور داعیوں کو اسلامی جماعتوں میں متفرق۔اور آپس میں ایک دوسرے سے متنفر کر دیا جائے۔ان کے حریف علماء کو جو منہج کی دعوت دیتے ہیں۔ان کی مخالفت میں ڈال دیا جائے۔ان مخالفین کو ختم کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے یہ بے چارے خاص طور پر فتاویٰ لکھتے ہیں۔ان کو خارجی اور دہشت گرد کہا جاتا ہے حالانکہ (یہ خود مفسدین ہیں) اور اس فساد کو خود ہی جانتے ہیں۔ہم نے اس دور میں اکثر لوگوں کو اس راہ پر ڈگمگاتے دیکھا ہے ان کو شعور نہیں کہ یہ بے چارے کس درجہ انحراف کر چکے ہیں۔

④ مؤمنوں کو گمراہ کرنے کا ایک اہم طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کو، عہدوں، ملازمتوں، اور مختلف القابات کے دھوکے میں ڈال دیا جائے۔مال و دولت، گھر بار اور مفادات کی ریل پیل سے ان کو جکڑ دیا جائے تاکہ ان کا منہ بند رہے۔اور یہ کہا جاتا ہے کہ جس تھالی میں کھاتے ہو اس میں چھید نہ کرو۔موجودہ حکومتیں، اصحابِ دعوت کو ایسے فتنوں میں ڈال دیتی ہیں۔آخر کار یہ داعی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اپنے فتووں سے باطل کی پردہ پوشی کرنے لگ جاتے ہیں۔لیل ونہار ان حکومتوں کی حمد وثناء کرنے لگ جاتے ہیں۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ (تلبیس ابلیس:۱۲۱) میں لکھتے ہیں ''فقہاء اور علماء پر ابلیس کی چال اس طرح چلتی ہے کہ ان کو حکمرانوں اور سلاطین سے ملنے جلنے کا دھوکہ دیا جاتا ہے۔پھر یہ علماء اپنی قدرت کے باوجود ان کے باطل کاموں سے خاموش رہتے ہیں'' علماء کا حکمرانوں کے دربار میں داخل ہونا ایک بڑا خطرہ ہے۔کیونکہ ان کی نیت پہلے پہل تو اچھی ہوتی ہے۔پھر حکمرانوں کے انعامات اور احسانات تلے دب کر ان کی حالتیں بدل جاتی ہیں۔اسی لئے سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے ''میں ان حکمرانوں کی توہین سے نہیں ڈرتا۔میں تو ان کے اکرام وانعام سے ڈرتا ہوں کہ میرا دل ان کی طرف مائل نہ ہو جائے ایک طرف سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے اور دوسری طرف موجودہ دور کے علماء کا طاغوتوں سے بڑھتا ہوا میل ملاپ ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ترجمہ: ''عالم دین کے لئے سب سے بڑے خسارے کی بات یہی ہے کہ وہ جاہلوں کے ساتھ دنیاوی کھلونوں سے بہل جائے پھر آہستہ آہستہ مال کو جمع کرنے کی حرص بڑھ کر اس کے دین کو تباہ برباد کردے جو شخص اپنے رب کا خوف نہیں رکھتا اس کا مال تباہ اور اس کے ہاتھ ٹوٹ جاتے ہیں''

⑤ اہلِ طاغوت علماء کو اصل دعوت سے ہٹا کر فروعی مسائل کی طرف لے جاتے ہیں۔فروعی مسائل کے حل کے لئے اپنی خواہش ظاہر کر کے مخلص علماء اور داعیوں کی حمایت حاصل کرتے ہیں۔اسی ذریعے سے عوام الناس کی محبت بھی مل جاتی ہے۔یہ حکومتیں' علماء کے لئے بڑے بڑے مراکز، یونیورسٹیاں،نشرو اشاعت کے ادارے مہیا کرتے ہیں۔علماء کو وزارتِ اوقاف کے کاموں میں مشغول رکھتے ہیں۔جن سے اہلِ طاغوت کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔انہی اداروں میں سے ایک ادارہ ''رابطہ العالم الاسلامی'' ہے جو انہی حکومتوں نے قائم کیا ہے۔اس سے اکثر علماء دھوکہ کھا جاتے ہیں۔حالانکہ اس ادارے کے بزدلانہ اقدامات سب پر ظاہر ہو چکے ہیں یہ تمام فاسد حکومتوں سے خصوصی تعلقات رکھتا ہے۔حتیٰ کہ کبھی کبھار کوئی کتاب طبع بھی کرتا ہے تو اس میں حکمرانوں کی چاپلوسی بھری ہوتی ہے۔ان کی ناپسندیدہ سرگرمیوں سے دور رہنا چاہئے۔اگر کبھی رابطۂ عالم کسی حکومت پر تنقید کرتا ہے تو صرف اپنے بانی ملک کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے۔جو طاغوتی حکومتوں کو منظور ہو'وہ اس ادارے کی پالیسی ہوتی ہے جب کبھی کرنل قذافی جیسا کوئی مخالفت کرتا یا تنقید کرتا ہے تو اس ادارے سے فتووں کی بوچھاڑ ہو جاتی ہے اگر قذافی مخالفت نہ کرے تو اس کے تمام عیوب سے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔کوئی فتویٰ نہیں لگایا جاتا ایسا نہیں ہوتا کہ اہلِ طاغوت میں کوئی تبدیلی آگئی ہے۔بلکہ وہ تو پہلے سے بھی بڑھ کر سرکشی میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن ان اسلامی اداروں میں کوئی حرکت نہیں ہوتی اگر یہ اپنی آنکھوں سے اہلِ طاغوت کو نجاست اور سرکشی کے ساتھ طواف کرتا دیکھ لیں تو خاموش رہیں گے (ہم اللہ کے حضور دعا گو ہی ہو سکتے ہیں) ایسے ادارے حکومتوں سے بڑھ کر کام کرنے والے ہوتے ہیں۔

⑥ بعض اوقات حکومتوں کی طرف سے علماء و دعاۃ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کمیٹی کی طرف سے دعوت وخطاب کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔تاکہ ان جوشیلے علماء کو جو حکومتی برائیوں' اور باطل سیاست پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ان کو عام برائیوں کی طرف مشغول کیا جائے۔اور یہ عام برائیاں بھی وہ ہوتی ہیں جن کی وجہ سے طاغوتی حکومت کے استحکام کو خطرہ لاحق ہو۔یہ داعی حضرات اس سے بڑھ کر کسی اور اہم کام اس وقت تک مصروف نہیں ہو سکتے جب تک ان کمیٹیوں سے منسلک رہیں گے۔اور جب تک دعوتی کاموں کے لئے حکومتی اجازت کے طلب گار ہوں گے۔

⑦ مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلوں کو ان کی نشوونما کے دور میں تباہ کرنا' ان کے اخلاق بگاڑنا، ان کو قتل کرنا بھی ان کے پروگرام میں شامل ہے۔قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے اسکولوں' مدارس میں مختلف طاغوتی طور طریقوں اور بے دین نصابی سرگرمیوں سے' ان بچوں کو بے جان' بے روح کر دیا جائے جیسا کہ کسی اردو شاعر نے کہا ہے۔

یوں قتل پہ بچوں کے بدنام نہ ہوتا　　　　افسوس فرعون کو، کالج کی نہ سوجھی

یہ طاغوتی،فرعون سے بڑھ کر چالباز اور مکار ہیں یہ بچوں میں سے اسلامی روح نکال دیتے ہیں۔ان کے جسموں کو اس وقت قتل کرتے ہیں جب ہر طرح کے خبیث ہتھکنڈے ناکام ہو جائیں۔اس سے پہلے کوشش یہی ہوتی ہے کہ فرزندانِ ملت کے دلوں کو مردہ کر دیا جائے یہ چاہتے ہیں کہ ان بچوں کی اس طرح تربیت کی جائے طاغوت کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس جائے،اور یہ کام ابتدائی مدارس اور ذرائع ابلاغ (ٹی وی، ریڈیو) سے بہتر طریقے سے ہوسکتا ہے جو اکثر مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو چکا ہے یہ طاغوتی مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کے بجائے سیاسی طریقے سے ان کو اپنی تعریف وستائش میں مگن کر دیتے ہیں۔اور یہ سب کچھ علم وتہذیب کے نام پر ہوتا ہے (پاکستان میں تعلیمی نظام آغا خانی بورڈ کے حوالے کرنا بھی اسی سازش کا ایک حصہ ہے اس سے نسلِ نو میں جو اسلام کی تھوڑی بہت غیرت اور حیا کا مادہ باقی ہے وہ بھی خطرے میں ہے۔کیا ہم اس بات پر غور کر رہے ہیں؟۔کیا ہم مسلمان یہود ونصاریٰ کے ایجنٹ آغا خانی بورڈ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں؟ ۔مترجم)

اسی تہذیب کے پردے میں وہ مسلمانوں اور ان کی اولادوں کو اپنی حکومت وقانون کے مخلص خادم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اگر یہ نہ کر سکے تو نسلِ نو کو جاہل اور گمراہ ضرور کر دیں گے۔جو اس ملتِ ابراہیم سے بے راہ رو ہوں گے۔اہلِ باطل سے ڈریں گے۔ان کا سامنا کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔وہ کفار کے مقابلے کا تصور بھی نہ کریں گے ہم نے اس مسئلے کو بڑی وضاحت سے اپنے رسالے میں تحریر کیا ہے۔جس کا نام ''اعداد القادۃ الفوارس بھجر فساد المدارس'' ہے۔اس ذلت آمیز گمراہی میں گرنے والے کتنے داعی ہوں گے۔اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔جس دور میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔اسلامی قیادت کے لائق کوئی نہیں ہے

۔اور جو ہے وہ بھی راستے میں چھوڑ کر بھٹک جانے والے ہیں۔اوران کی اہلِ طاغوت کی نگاہوں میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ان کو وہ کسی شمار میں بھی نہیں سمجھتے۔ان بے ضرر داعیوں کی دعوت سے اہلِ طاغوت کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔اور جب یہی علماء پہاڑ کی مانند ثابت قدم ہوں اور خودداری اور ہمت سے کام لے کر کسی ایک گمراہ راستے کو چھوڑ کر' منہج مستقیم پر چل رہے ہوں تو ایک ایک عالم ہزار ہزار افراد کے برابر لگنے گا ان کی ہیبت سے اہلِ طاغوت کانپ اٹھیں گے۔جیسا کہ کفار کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب طاری رہتا تھا۔

لہٰذا اے مسلمانو! اہلِ طاغوت کے جال میں گرفتار ہونے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

حرفِ آخر!

تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اہلِ طاغوت کے ارادوں' پروگراموں اور ان کی چالوں کو واضح کیا ہے۔اس کا علاج بھی عطا فرمایا سیدھے راستے کی نشان دہی بھی فرمائی ہے مثلاً پہلے فرمایا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ (القلم:۸)

''جھوٹ بولنے والوں کی اطاعت نہ کیجئے''۔

پھر فرمایا۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم:۹)

''وہ چاہتے ہیں کہ (اے نبی) اگر تم نرمی کرو تو وہ (بھی) نرمی کریں۔''

لہٰذا ان کی اطاعت نہ کرو۔ان کی طرف مائل نہ ہو بے شک تمہارے رب نے تمہیں دینِ حقہ اور صراطِ مستقیم کی رہنمائی فرمائی ہے اور ملتِ ابراہیم کی ہدایت دی ہے ۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ دہر میں جو مکہ میں نازل ہوئی فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (الدھر:۲۳،۲۴)

''بے شک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے سو تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی بات نہ مان''۔

اس آیت کا قرآن میں ذکر ہونا اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسانِ عظیم ہے۔پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اطاعت سے منع فرمایا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے دعوت کے طریقے کو بیان کیا ہے۔اس دعوت کو داعی اپنی طرف سے پیش کر ہی نہیں سکتے۔اور نہ ہی دعوت کے طریقہ کار' اور اسلوب کا بیان خود تجویز کر سکتے ہیں۔یہ تو ملتِ ابراہیم اور انبیاء کرام علیہم السلام اور رسولوں کی دعوت ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ فرقان میں فرمایا۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان:۵۲)

''(اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کافروں کی اطاعت نہ کیجئے اور ان کے خلاف جہاد کبیر کیجئے''

جہاد کبیر کس چیز کے ساتھ کریں؟ اسی قرآن کے ساتھ کریں اور قرآن میں بیان کردہ طریقۂ دعوت دین کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر جانے کی کوشش نہ کریں لوگوں کو اس قرآن کی وعظ و نصیحت سے ڈراؤ اس قرآن کو چھوڑ کر گمراہ اور ٹیڑھے راستوں کی طرف متوجہ نہ ہوا جائے یا اہلِ باطل کی گمراہی کی مذمت سے خاموشی اختیار نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تلاوتِ قرآن کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف:۲۸،۲۹)

''(اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے اور اعلان کردو کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''۔

سورۃ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے نوح ؑ، ابراہیم ؑ، موسیٰ ؑ، عیسیٰ علیہم السلام کی شریعتوں کو ذکر کر کے فرمایا۔

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ (الشوریٰ:۱۵)

''پس آپ لوگوں کو اسی طرح بلاتے رہیں۔اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے۔اس پر جم جائیں اور (مشرکوں) کی خواہشوں پر نہ چلیں''۔

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو کہہ دو۔

لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ .(الشوریٰ:۱۵)

''ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ ہیں''۔

اس آیت نے مشرکوں سے ان کے منہج اور ان گمراہ راستوں سے بالکل کھلی برأت کر دی ہے۔اسی طرح سورہ جاثیہ میں فرمایا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ o اِنَّھُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللہِ شَیْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ (الجاثیة : ۱۸،۱۹)

''پھر ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا۔سو آپ اسی پر لگے رہیں۔اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں (یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز آپ کے سامنے کچھ کام نہیں کر سکتے۔ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں۔اور پرہیز گاروں کا رفیق اللہ ہے''۔

عزیزانِ گرامی! اگر اس اہم موضوع پر آیاتِ قرآنی کو تلاش کریں تو آپ کو بیسوں بلکہ سینکڑوں آیات ملیں گی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے کار پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت فرمائی ہے۔کیا یہ آیات داعیوں کے لئے واضح طریقے کی نشان دہی نہیں کرتیں؟ کیا رسول اللہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت کافی نہیں؟ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ غفلت کو چھوڑ کر بیدار ہو جائیں؟ اپنے انحرافات کو سیدھا کریں۔کیا حق کو چھپانا، طاغوت کے ہاتھوں کھلونا بننا، لوگوں کو گمراہ کرنا، اپنی عمروں کو ضائع کرنا، کیا یہ سب کچھ ذلت و رسوائی کے لیے کافی نہیں ہے؟ لوگوں کو دو کاموں میں سے ایک چیز اپنے لئے منتخب کرنی چاہئے یا اللہ کی شریعت کو قبول کر لیں۔یا جاہلوں کی خواہشات کی پیروی کر لیں۔اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ، کوئی درمیانی راہ ہے ہی نہیں!!

مذکورہ بالا آیات کسی بھی صاحب دعوت کے لیے کافی ہیں۔اس کے علاوہ کوئی تفصیل کوئی قول کوئی دلیل ضروری نہیں ہے۔شریعت الٰہی تو ایک ہی ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ صرف جہل کی پیداوار ہے۔ہر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف شریعت الٰہی کی پیروی کرے، اس کو چھوڑ کر خواہشات نفسانی کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائے۔یہ خواہشات کے پجاری آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔ان میں سے کسی کی مدد تمام کی امداد کے مترادف ہے۔یہ سب لوگ اکھٹے ہو کر بھی ہمیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔تھوڑی بہت پریشانی اور تکلیف ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔اللہ تعالیٰ ہی ہمارا ولی اور مددگار ہے۔ان لوگوں کی دوستیاں کہاں اللہ رب العزت کی دوستی کہاں؟ اس کی آپس میں کوئی برابری نہیں ہو سکتی۔یہ کمزور جاہل و ناتواں لوگ آپس میں گٹھ جوڑ کر لیں تو بھی صاحبِ شریعت کے لئے نصرت الٰہی کافی ہے۔کیونکہ (اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست ہے) یہ ہے ملتِ ابراہیم؟.................کیا کوئی اس راہ پر چلنے والا ہے؟

ابو محمد عاصم المقدسی

۱۴۰۵ھ

مترجم: ابو علی السندی

۲۰۰۵/۳/۱